حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے میں ایک تحقیقی فتویٰ بنام
ولادتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں
ازقلم
مفتی ضمیر احمد مرتضائی
مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور
حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

فَلَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ أَنَّ عَلِيًّا وُلِدَ فِي جَوْفِ الْكَعْبَةِ

بیشک تواترِ اخبار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
کعبہ شریف کے درمیان میں پیدا ہوئے (المستدرک مع التلخیص ۲/۴۸۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے میں ایک تحقیقی فتویٰ بنام

ولادتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں

مؤرخین، محدثین اور اکابر اہلسنت و جماعت کی تصریحات کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں پیدائش کے ثبوت پر اُصولِ محدثین اور دلائل عقلیہ و نقلیہ کی روشنی میں ہر ممکنہ سوالات کے جوابات پر ایک جامع معتدل اور تحقیقی انداز میں لکھی جانے والی بے مثال کتاب

از قلم

مفتی ضمیر احمد مرتضائی

مدرس جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور

ناشر

حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فہرس

ولادتِ مولا علی رضی اللہ عنہ کعبہ میں

انتساب

حضور شیخ المشائخ، محقق و مدقق، مناظر اسلام، امام العاشقین، برہان الواصلین

حضرت خواجۂ عالم **پیر غلام مرتضیٰ فنا فی الرسول** رضی اللہ عنہ

اور ان کے لختِ جگر، نورِ نظر، حامل علم لدنی، مادرزاد ولی اللہ، مردِ حق، مناظرِ اسلام، رئیس الفقہاء والمحدثین، استاذ العلماء، فضیلۃ الشیخ، حضرت خواجۂ عالم

پیر نور محمد مرتضائی فنا فی الرسول رضی اللہ عنہ

اور ان کے خلف الرشید، شاگرد حمید، علوم مرتضائیہ کے امین، پروردۂ آغوشِ ولایت، قبلۂ جہاں، فنا فی الشیخ، حضور فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ مولانا

نذیر احمد نقشبندی مرتضائی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جن کی نظرِ عنایت اور فیضانِ کامل سے اس ادنیٰ خاکسار کو

دین متین کی خدمت کا موقع میسر آیا

(والحمد للہ علیٰ ذٰلک)

اھداء

بندہ اس کاوش کو
اپنے والدین اور تمام اساتذہ کے لیے
بطور ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے
گر قبول افتد، زہے عز و شرف

فقط
ابوالحسن محمد ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الاحد

تقریظِ جلیل

ادیبِ شہیر، مصنف کتب کثیرہ، شیخ الحدیث والتفسیر استاذ العلماء

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی حفظہ اللہ

جامعہ ہجویریہ، لاہور

اسلام، افراط وتفریط سے پاک اور اعتدال کا دین ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے ماننے والوں یعنی اُمت محمدیہ (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اُمت قسط فرمایا گیا۔ ارشاد خداوندی ہے: ''وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا''۔ (البقرہ: ۱۴۳)

دوسری بات جو اس اُمت کا طرۂ امتیاز ہے وہ حکمت و دانائی ہے، ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''الكلمة الحكمة ضالة المؤمن''۔ (جامع ترمذی)

دانائی مؤمن کی گم شدہ میراث ہے، جہاں سے ملے، اسے حاصل کرے۔

لہٰذا اُمت مسلمہ کا اختلاف باعث رحمت ہونا چاہیے کیونکہ اختلاف و انتشار کی فضاء معاشرے کو مسموم کر دیتی ہے۔

چوتھے خلیفہ راشد شیرِ خدا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شان عظمت نشان پر بے شمار دلائل ہیں جو کسی بھی ذی علم پر مخفی نہیں۔

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ آپ کے مولودِ کعبہ ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے اختلاف کی ناگفتہ بہ صورت پیدا کر دی گئی۔

آپ کی اس فضیلت کے قائلین اس حد تک آگے جا رہے ہیں کہ گویا یہ ضروریاتِ دین کا مسئلہ ہے، نیز یہ کہ اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کو کوئی فضیلت حاصل ہی نہیں اور اس کی بجائے کن کن گناہوں میں ملوث ہیں۔

اور جو حضرات، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مولودِ کعبہ نہیں مانتے گویا ان کے نزدیک یہ ایک ناممکن بات ہے اور ماننے والے شاید رافضیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، یہ دونوں صورتیں کسی بھی مہذب قوم کو زیب نہیں دیتی۔

چونکہ آپ کا مولودِ کعبہ ہونا یا نہ ہونا ایک تاریخی مسئلہ ہے اور تاریخ میں اختلاف ہوتا رہتا ہے، جو باعثِ نزاع نہیں ہوتا، مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ بزرگوں کی تاریخ پیدائش کوئی کچھ بتاتا ہے اور کوئی کچھ۔

حضرت علامہ مفتی محمد ضمیر احمد مرتضائی زید مجدہ ایک محقق فاضل ہیں، انہوں نے اس مسئلہ پر نہایت عمدہ اور راہِ اعتدال پر مبنی تحریر نذرِ قارئین کی ہے۔

اور اہل سنت کے جیّد علماء کرام کے بیانات وتحریرات سے آپ کا مولود کعبہ ہونا ثابت کیا ہے) اور یہ بات بھی حضرت علامہ مفتی محمد منیب الرحمٰن کے بیان کے ذریعہ منصّۂ مشہود پر لائے ہیں کہ مولودِ کعبہ ہونا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تفردات میں سے نہیں ہے، بہر حال یہ خالصۃً تاریخی مسئلہ ہے جس کے لیے مستند تاریخی دستاویزات درکار ہوتی ہیں جس کا مفتی ضمیر احمد مرتضائی نے کافی حد تک ثبوت فراہم کیا ہے، بہر حال اتنی گزارش ضروری ہے کہ مسائل میں اختلاف اس اُمت کے ماتھے کا جھومر ہے اور اس سے تحقیق کی راہیں کھلتی ہیں، لیکن خدارا اس اختلاف کو انتشار اور جگ ہنسائی کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور نہ اپنی اپنی دستارِ عزت کو اُونچا کرنے کا سبب بنایا جائے، مسائل پر تحقیق کے لیے خالی الذہن ہونا ضرروی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اتحاد کی راہیں کھولنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی

شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ، لاہور

۞۞۞۞

تقریظِ کمال

محققِ اہل سنت، استاذ العلماء عالم جلیل فاضل نبیل
حضرت علامہ مفتی محمد اکمل قادری رضوی حفظہ اللہ
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

حامدا و مصلیا رحماء بینھم

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل ان کے تما صحابۂ کرام علیہم الرضوان کو عزت وشرف بخشا ہے۔ کسی ایک صحابی کی فضیلت دوسرے صحابی کی فضیلت کی نافی نہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت کعبۂ معظمہ کی برکت سے مولودِ کعبہ ہونا بھی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ایک تاریخی مسئلہ ہے اور تاریخی مسئلہ کو ثابت کرنے کے بارے میں ضابطۂ قانون یہ ہے کہ اس کے لیے مستند ومعتبر تاریخی ذرائع اور علماء محققین کی آراء واقوال ہونے چاہئیں اور کعبہ میں ولادت مولا علی کے متعلق مستدرک للحاکم میں یہ روایت بالکل واضح ہے: ''قد تواترت الاخبار ان علیا ولد فی جوف الکعبۃ''۔

مستدرک للحاکم کی روایات کی صحت امام ذہبی کی تلخیص پر موقوف ہے، امام ذہبی جیسے جلیل القدر نقاد نے بھی اس روایت پر جرح نہ فرمائی بلکہ مشہور نقاد ابن ملقن جس کے

علامہ ذہبی کی تلخیص پر بڑی شد و مد سے جرح ہے، اُس نے بھی روایت مذکورہ کے خلاف کوئی گفتگو نہیں کی۔ بڑا تعجب ہے ان حضرات پر جنہوں نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق اس روایت کو صرف تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ عدم مولودِ کعبہ پر بعض عقلی دلائل دینے میں سخت خطاء کے مرتکب ہوئے۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے پر محترم المقام ذی احتشام حضرت مولانا واولٰنا مفتی ضمیر احمد مرتضائی صاحب زید علمہ وزید عملہ نے ایک کتاب بنام ''ولادتِ مولا علی کعبہ میں'' تحریر فرمائی ہے۔ فقیر نے اس کتاب کے بعض مقامات کو بغور پڑھا تو یہ واضح ہوا کہ قبلہ مفتی صاحب نے مسئلہ ہذا کی تحقیق کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی، کتاب میں موضوع ہذا کو عقلی دلائل اور مستند تاریخی حوالہ جات اور مستند علمائے اسلام کے اقوال سے ثابت کیا ہے جو کہ مفتی صاحب کی محنت شاقہ اور جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے محبت کا مظہر ہے، مفتی ضمیر احمد صاحب نے اس سے پہلے بھی علمی میدان میں چند مسائل پر محققانہ انداز میں کتب تحریر فرمائی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی علمی صلاحیتوں کو قبول فرمائے۔ آمین

احقر العباد

ابو محمد حسان احمد محمد اکمل قادری رضوی

شعبۃ التحقیق والافتاء

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

۲۹ شوال المکرم ۱۴۳۸ھ/ ۲۴ جولائی ۲۰۱۷

نیک دعاؤں کی آرزو ہے میری تم سے

۱۲، اپریل ۲۰۱۳ء/ یکم جمادی الآخر ۱۴۳۴ھ بروز جمعۃ المبارک رات تقریباً ۸ بجے

ایک علمی و روحانی شخصیت میرے ہادی و مربی سیدی و مرشدی میرے پیارے نانا جان فضیلۃ الشیخ حضرت علامہ مولانا نذیر احمد مرتضائی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ قلعہ شریف اس دارِ فانی سے رحلت فرما ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

بسترِ علالت پر آپ کے وصال سے قبل زبانِ اقدس پر آخری منظوم کلام یہ تھا:

رسول اللہ توں صدقے جان میری　　　اے فانی زندگی قربان میری

جس میں علم الاعداد کے مطابق اعدادِ کبیرہ (سینکڑوں والے) کے حذفِ تکرار پھر "ں" غنہ کے عدم اور "گ" میں "ک" اور "ا" کے مجموعہ کے عدد سے اور نامِ قائل کی تعداد کو منہا کریں تو ۱۴۳۴ھ نکلتا ہے۔

یا الٰہی! میرے تمام عزیز احباب تیری بلند بارگاہ میں دستِ فریاد بلند کیے ہوئے التجاء کرتے ہیں کہ جس طرح "فضیلۃ الشیخ حضرت میاں نذیر احمد مرتضائی علیہ الرحمہ نے اپنی علمی و وجدانی کیفیات سے ہماری فکری تربیت فرمائی اور اپنی لحن داؤدی سے جامی و رومی اور حافظ شیرازی و گنجوی رحمۃ اللہ علیہم کے کلام سے ہمارے جہانِ دل میں عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شمع روشن کی اور محبتِ صحابہ کرام و اہلِ بیت اطہار سے شادابی فرمائی اسی طرح یا الٰہی ان کی پرنور قبر انور پر اپنی خاص تجلیات کی بارش فرما اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرما۔

امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

طالب دعا

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ القوی العزیز

مثنوی

در منقبت مولائے کائنات، حیدر کرار، اسد اللہ الغالب، دامادِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

از قلم
شاعر قادر الکلام شعارِ ہند کشتۂ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
شمعِ سوزاں حضرت علامہ عبدالرحمٰن صاحب جامی قدس سرہ السامی

علی دور خلافت را چہارم — مسیحائے زمین خورشید طارم
خلافت ختم زاں بر مرتضیٰ بود — کہ خاتم بر نبوت مصطفیٰ بود
ازاں شد مہر دار اسم اعظم — کہ از خاتم بدستش بود خاتم
علی را با نبی یک با نور خوانم — فروغ ماہ راہ از مہر دانم
چو من گر بندہ آل علی را — بدان مولای ہر مولا علی را
بحمد اللہ دلم گردید آگاہ — ز رمز نسخہ من کنت مولاہ
از و چوں لشکر دین را قوی پشت — بلے آید ز بازو زور بر مشت
ز برق آفتاب ذوالفقارش — سواد کفر شب شد روز گارش
چو مہر افراشت ہر جا رائت فتح — نمودش جوہر تیغ آیت فتح

نہ منکر چو توحید خدا را — یکے دان پنج تن آل عبا را
ازاں چوں پنچۂ خورشید تاباں — بر آوردند سر از یک گریبان
سپہر دوش احمد را چو خورشید — ازاں پنچۂ آں پای بوسید
کہ یعنی نیست فرق از پای تا فرق — علی را از نبی چون نور از شرق
محبت مرتضیٰ چوں شافعیم — ز اھل سنتم نہ رافضیم
زہی علم تو اسرار آہی — ازو طاہر شدہ اسما کماہی
توئ شرح معمائے حقایق — توئی شمع شبستان دقائق
زاجزای تو طب یک نسخہ باشد — نجوم از دفترت یک صفحہ باشد
بود منطق ز نقطت یک مقالہ — مطول از بیانت یک رسالہ
ہدایہ از فروعت چیست فصلی — اصولت را بود توضیح اصلی
کلام حق بود تفسیر علمت — حدیث مصطفٰے تقریر علمت
ز علمت بود تا علم پیمبر — تفاوت آں قدر کز شہر ناد
نگردد از تو کس کہ اول آگاہ — باسرار پیمبر کے برد راہ
دلے گر مہر تو مہرش نزد سر — زر قلبی ست در بازار محشر
بہے گردا کنم ذکرم تو باشی — سری گردا کشم فکرم تو باشی
تو بودی از شجاعت حامی دین — تو بودی از ولایت والی دین
ز تو گر ذرہ ام امداد یابد — تواند پنچۂ خورشید تابد
چو یوسف تا بخواہم رخ نمودی — بیک نظارہ ام خود دل بودی
ازاں دم چوں زلیخا بیقرارم — گہے ہشیار گہ بے اختیارم
دماغم نشاۃ جام دگر یافت — زبانم لذت کام دگر یافت
سبق تا خواندہ جہلم علم گردید — خیالم چوں گہر در نظم پیچید
ز اسرار حقائق گشتم آگاہ — برآمد یوسف او را کم از چاہ
کنوں در مصر دانائی عزیزم — بر او رنگ سخن صاحب تمیزم

بحکمت حاذقم در شعر ناظم　اگر بودی مرا کشتی ملازم
غلام مرتضی ام چوں نگشتی　سگ شیر خدایم چوں نگشتی
بیاساقی دماغم تازہ ترکن　خمارم راز می خون جگر کن
نشانم تا سخن بر کرسی چاہ　دہم دیہمش از مدح عمر شاہ

نام پادشاہ ۱۲ ض

(کلیاتِ جامی ص:۳۶ تا ۴۰ مطبوعہ النوریۃ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور)

دار الافتاء جامعہ نعیمیہ

علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو، لاہور، پاکستان

کمپیوٹر نمبر: 7079 daruliftajamianaeemia@gmail.com تاریخ: 18/05/13

استفتاء

واجب الاحترام والاکرام جناب حضرت علامہ و مولانا صاحب زید مجدکم، صاحبِ عزت و شرف جناب حضرت مفتی صاحب زید شرفکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاجِ گرامی بخیر!

جنابِ گرامی! ہم اور ہمارے آباؤ اجداد یہ سنتے، پڑھتے چلے آرہے ہیں کہ حضرت سیدنا مولا علی شیرِ خدا کرّم اللہ وجہہ کی ولادتِ باسعادت خانہ کعبہ بیت اللہ شریف کے اندر ہوئی۔۔۔

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

شعر کے مصداق یہ آپ کی ایک نمایاں فضیلت و عظمت ہے جو کہ مستند علمائے دین کرتے ہیں اور مستند کتبِ دین میں بھی تحریر ہے۔

مگر کچھ عرصہ ہوا کہ چند مفتی، مولانا، واعظ حضرات یہ بیان کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت کعبہ میں نہیں ہوئی۔ یہ شیعوں کی گھڑی ہوئی روایت ہے جسے غیر مستند واعظین نے سُنّی عوام میں بیان کر کے عام کر دیا ہے۔ اور اگر ہے بھی تو کوئی خاص فضیلت و مرتبہ والی بات نہیں، اور اِس ضمن میں بہت نازیبا کلمات لکھے ہیں۔ اِن سنی نما واعظوں اور مصنفین کی وعظ و تحریر سے۔۔۔

علمائے کرام وعوام اہلِ بیت اطہار کے محبین سخت تذبذب و ہیجان کا شکار ہیں کہ حق بات کون سی ہے۔ فلہذا۔۔۔

جنابِ گرامی! آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے قیمتی علمی لمحات میں سے چند لمحات نکال کر "بابِ مدینۃ العلم" سیدنا و مولانا شاہ مشکل کشا علی المرتضیٰ علیہ السلام کی عزت و ناموس کے دفاع میں اور علماء وعوامِ اہل سنت و جماعت کے عقیدے وعقیدت کی پختگی اور تازگی کے لیے اپنی قیمتی آراء سے جلد از جلد نوازیں تاکہ آپ کا فتویٰ/ تاثرات شائع ہونے والی عالمی عظیم شخصیات کے تاثرات کی کتاب میں شائع ہوسکیں، اور اگر مزید اظہارِ محبت فرمائیں کہ اپنے قریبی سُنّی حنفی علمائے کرام و مفتیانِ عظام، پروفیسرز، وکلاء، دانشور حضرات کے تاثرات بھی حاصل کر کے مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے خیراتِ کرم وعلم حاصل فرمائیں اور دیگر مکاتب فکر کے علماء ومفتی حضرات سے بھی حاصل ہو جائیں تو بھی شاملِ اشاعت ہوگا۔ اِسی پتہ پر ارسال فرمائیں یا دستی عنایت فرمادیں۔

آپ کا علمی، تحقیقی فتویٰ/ تاثرات جہاں بارگاہِ مرتضوی میں خراجِ عقیدت ومحبت ہو گا۔ وہاں علمائے کرام اور عوامِ اہل سنت و جماعت کے لیے راہنما، عقیدت ومحبتِ مولا مشکل کشا میں مضبوطی اور حق نما ہوگا۔ **جزاکم اللہ خیراً جزیلاً ... بینوا و توجروا۔**

گزارش: اپنے دارالافتاء/ مدرسہ/ آستانہ یا ذاتی لیٹر پیڈ پر فتویٰ/ تاثرات لکھ کر اور مہر و دستخط سے مزین فرما کر عنایت فرمائیں تو بہت خوب ہوگا۔ شکریہ

سائل

بارگاہِ مرتضویٰ کا ادنیٰ غلام

سید محمد عبدالقادر شاہ ترمذی محمدی سیفی

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و علی اٰلہ و اصحابہ الطاھرین و علی من یحبھم و محبیھم اجمعین۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۝۳۳'' (الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تو یہی ارادہ کرتا ہے کہ اے اہلِ بیت تم سے گندگی دور کردے اور تمہیں خوب پاک کردے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام صحابہ کرام قابلِ عزت واحترام ہیں۔ ہر ایک کی خوبیاں نرالی ہیں۔ جس کی بھی اقتداء کرلی جائے ہدایت ہی ہدایت ہے۔ جمیع صحابہ عظام ''رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ'' کی عملی تفسیر تھے۔ اور ''وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی'' (اور ہم نے ہر صحابی سے جنت کا وعدہ کرلیا) ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ اس واسطے کسی بھی صحابی کی شان میں ذرا برابر گستاخی کے کلمات انسان کو ہدایت سے محروم کر دیتے ہیں۔ جس سے بندہ گمراہی کی دلدل میں جا گرتا ہے اور جہاں گمراہی کا بسیرا ہو وہاں نزاع و اختلاف کا پیدا ہونا ایک ضروری امر ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام میں سے صدہا عزت و احتشام کے لائق فاتح خیبر، دامادِ

مصطفیٰ ﷺ، منبعِ ولایت، مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ بھی محبت و پیار کے اتنے ہی مستحق ہیں جتنے دیگر صحابہ کرام، محبت ضرور ایک قلبی معاملہ ہے لیکن ہمیں ایمان کو نفاق سے جدا کرنے کے لیے دل کو محبتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف پھیرنے کا حکم ہے۔

"لا یحب علیا منافق ولا یبغضہ مومن"۔ (ترمذی)

ترجمہ: منافق جنابِ علی المرتضیٰ سے محبت نہیں کر سکتا اور مومن آپ سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

قارئین کرام! کسی مسئلہ میں تحقیق کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم مسلمانی کا ثبوت دیتے ہوئے حقائقِ واقعیہ کو دائرۂ اسلام میں رہتے ہوئے ثابت کریں۔ ہم بعد میں آنے والے اپنے پہلوں کے حالات و واقعات اور ان کی اسلام کی خاطر خدمات و کوشش کو اجاگر کر دیں تو سمجھ لیجیے ہم نے اپنے چھوٹا ہونے کا حق ادا کر دیا لیکن خود کو بڑوں کا فریق سمجھ لینا نادانی ہے اور راہِ صواب سے فرار ہے۔ مسئلہ کوئی بھی ہو اہل سنت و جماعت کو اس دور میں من حیث المسلم اتحاد کی ضرورت ہے کسی گروہ یا طبقے کے تصور سے بالاتر ہو کر یہ دیکھیں کہ اسلام کے اندر ایسے مسائل کے بیان کرنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس پرفتن دور میں کن مسائل کی عوام کو ضرورت درکار ہے۔ ان فتنوں کی بہتی گنگا میں تاریخی واقعات کو اختلافی رنگ دے کر نفرت و انتشار کا بازار گرم کرنا سمجھداری کا ثبوت نہیں خواہ مخواہ عوام کو اپنے خلاف بولنے کا موقع دینا اچھا نہیں عوام کالانعام طبقۂ علماء پر پہلے ہی سے رنجیدہ ہیں پھر پرنٹ میڈیا نے تو ان کے غضب کی آگ پر اور تیل چھڑک دیا ہے۔ ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم اس وقت مسلمانوں کو بتائیں کہ آج اصولِ تجارت، شریعت کی روشنی میں کیا ہیں؟ حرام خوری سے محفوظ کیسے رہنا ہے؟ کفر کی سازشوں سے نجات کے طریقے بیان کرنا ہماری ذمہ داری میں شامل ہے ہمیں دورانِ تحقیق اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہم قوم وملت کے ذمہ دار افراد ہیں قوم کے سرمایہ کی قدر ہم پر لازم ہے اگرچہ حکومت اس کی دھجیاں ہی بکھیر رہی ہے تاہم ہمیں عوام کی مصلحت پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ کفار کی فکری

اور تعلیمی سازشوں نے مسلمانوں کو صدیوں تک فکری اپاہج بنا ڈالا ہے اس وقت ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم اپنی ہر بات کو حرفِ آخر نہ سمجھ لیں کیونکہ ہمارے اسلام نے ہمیں نصیحت و بھلائی کا ہی درس دیا ہے، حق معاملہ کے سامنے منکسر المزاجی ہی عوام کے لیے سہارا ہے اور اس فکری مرض سے نجات کا بہترین ذریعہ ہے۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ مولودِ کعبہ کے بارے ایسی راہ اعتدال پیدا کی جائے جس کا حقائق سے گہرا تعلق ہو اور افراط و تفریط سے بالاتر متوسط راستہ اختیار کیا جائے نہ تو جنابِ فاطمہ بنت اسد کی طرف بوقتِ ولادت وحی کا قول کیا جائے اور نہ دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے جناب فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کے بارے نازیبا کلمات کہے جائیں، بلکہ یوں کہا جائے جس طرح حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ میں ثابت ہے اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی ولادت کعبہ میں ثابت ہے۔ جس پر دلائل آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندۂ ناچیز کے ذہن و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے اور شرِ شیطان سے محفوظ فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحابہ کرام و اہلِ بیت اطہار اور تمام اولیاء عظام کا خوب ادب و احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حق گوئی کے ساتھ ساتھ آپس میں پیار اور محبت کی فضا بھی استوار کرنے کی ہمت دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

الیہ المرجع و الیہ المآب، ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا و ھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب۔

فقط

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

وِنڈالہ روڈ شاہدرہ لاہور

0333-4818898

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون اللہ الوھاب

دریافت طلب مسئلہ کے بارے جانبین سے اثبات ونفی میں مواد سامنے آچکا ہے۔ چونکہ معاملہ ناساز ہونے کے ناطے نزاع اختیار کر چکا ہے اس واسطے اب ضرورت اس امر کی سامنے آئی کہ شیرازۂ اہل سنت کو اسی طرح سمیٹ دیا جائے اور فتنہ ونفرت کے ماحول کو دور کیا جائے۔ واللہ المستعان وعلیہ التوکل والتکلان

مسئلہ سمجھنے سے پہلے تمہیدی گفتگو

صورت مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے تمہیداً کچھ گزارشات پیش کی جاتی ہیں تاکہ مسئلہ کو سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

(ا) معتقدات کے تین درجہ ہیں۔ یعنی جو مسائل عقیدہ سے متعلق ہوتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں:

(ا) ضروریاتِ دین، ان کا منکر بلکہ ان میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

(ب) ضروریاتِ عقائدِ اہل سنت ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔

(ج) وہ مسائل کہ علمائے اہلِ سنت میں مختلف فیہ ہوں ان میں کسی طرف تکفیر وتضلیل ممکن نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلیداً کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں

موجود ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ عزوجل کے لیے ''یَدْ'' و ''عَیْن'' کا مسئلہ ''قال اللہ تعالیٰ: یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ ۚ '' (الفتح:۱۰) '' و قال اللہ تعالیٰ: وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۝۳۹ '' (طٰہٰ:۳۹) ''یَدْ'' ہاتھ کو کہتے ہیں ''عَیْن'' آنکھ کو۔ اَب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ، آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعاً کافر ہے۔ اللہ عزوجل کے لیے ایسے ''یَدْ'' و ''عَیْن'' سے پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے اور جو کہے کہ اس کے ''یَدْ'' و ''عَیْن'' بھی ہیں تو جسم ہے مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک و منزہ ہیں وہ گمراہ بددین کہ اللہ عزوجل کا جسم جسمانیت سے مطلقاً پاک و منزہ ہونا ضروریاتِ عقائدِ اہل سنت و جماعت سے ہے اور جو کہے اللہ عزوجل کے لیے ''یَدْ'' و ''عَیْن'' ہیں مطلقاً جسمیت سے بری و مبرّا ہیں وہ اس کی صفاتِ قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ ان میں تاویل کریں وہ قطعاً مسلم سنی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہل سنت کا خلافیہ، متاخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے نہ وہ کہ ''اجراء علی المظاھر'' بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ ''امنّا بہ کل من عند ربّنا''۔ [1]

(۲) حدیثِ ضعیف فضائل و مناقب میں معتبر ہوتی ہے۔ [2]

(۳) کسی ایک صحابی کی فضیلت پر حدیث، دوسرے صحابی کی فضیلت کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ صحابہ کرام کے فضائل و مناقب کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں، مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کیا جائے۔ ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔ [3]

---

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹، ص ۴۱۳۔ ۴۱۴، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

[2] مقدمۃ صحیح البہاری فی قبول الحدیث الضعیف و ردہ ملک العلماء، علامہ محدث الشیخ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۳۸۳ھ، الفائدۃ الثانیۃ عشر، ص ۵۵، مطبوعہ دار اہل السنۃ للطباعۃ و النشر والتوزیع کراچی

[3] قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، فصل الحادی والعشرون لابی طالب مکی علیہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۴) کئی ایک مختلف روایات میں اگر جمع و تطبیق دینا ممکن ہو تو تطبیق دینا اولیٰ ہوتا ہے اگرچہ بعض محدثین نے انہیں متعارض قرار دیا ہو یا انہیں ناسخ و منسوخ میں داخل کیا ہو، درست راہ ان میں تطبیق دینا ہوتا ہے۔[۱]

(۵) جب کسی ایک امر یا واقعہ کا ثبوت احادیث سے ہو جائے تو اس قسم کے واقعات کے ثبوت کے لیے دلیلِ ظنی بھی کافی ہوتی ہے۔[۲]

(۶) محدثین کی گفتگو سند کے اعتبار سے صحت و ضعف کا فیصلہ کر دیتی ہے اور "لم یصح" اور "لم یثبت" ایسے دیگر کلمات سے سند کے عدمِ صحت پر دلیل ہوتی ہے نہ کہ اصلاً سند کے معدوم ہونے پر، کہ یہ روایت سنداً صحت سے ثابت نہیں اس سے نیچے درجۂ حسن و ضعیف کا وجود ہوتا ہے۔[۳]

مولود کعبہ کا مسئلہ عقیدہ سے نہیں

ان تمہیدی کلمات کے بعد یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ "مولودِ کعبہ" ہونے کا مسئلہ معتقدات کے تین درجوں میں سے کسی ایک سے بھی نہیں ہے، خالصۃً ایک تاریخی واقعہ ہے جس میں عقیدت کا نکتہ تو بن سکتا ہے لیکن عقیدہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ سے پہلے مولود کعبہ کون؟

یہ بات تو واضح ہے کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پہلے

(بقیہ صفحہ سابقہ) الرحمہ، ج ۱ ص ۱۷۸، مطبوعہ دار صادر، مصر

[۱] الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح، الجزء الثانی، النوع السادس والثلاثون معرفۃ مختلف الحدیث، ص ۴۷۲، مطبوعہ مکتبۃ الرشید، الریاض، البنایہ فی شرح الہدایہ، ج ۱ ص ۳۴۰۔۳۸۴، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان

[۲] مقالاتِ کاظمی، ج ۱ ص ۱۳۱، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، ملتان، فتاویٰ نعیمیہ للعلامۃ اقتدار خاں نعیمی فی بحث الکرامۃ للغوث الاعظم، ج ۳ ص ۸۔۱۰، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات

[۳] فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۴۴۲، ۵۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، تحفۃ الطلبہ للعلامۃ عبدالحی اللکھنوی، ص ۷، مطبوعہ ایچ۔ایم سعید کمپنی، کراچی

مولودِ کعبہ ہیں۔

چنانچہ "اکمال فی اسماء الرجال" میں شیخ ولی الدین ابوعبداللہ محمد ابن عبداللہ صاحب مشکوٰۃ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"حکیم بن حزام، ھو حکیم بن حزام یکنی ابا خالد القرشی الاسدی وھو ابن اخی خدیجۃ ام المؤمنین ولد فی الکعبۃ قبل الفیل بثلث عشرۃ سنۃ"......الخ

ترجمہ: حضرت حکیم ابن حزام کی کنیت ابوخالد قرشی اسدی ہے اور آپ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے ہیں عام الفیل سے تیرہ سال پہلے کعبہ میں پیدا ہوئے۔[1]

عقلاً امرِ ممکن کی نظیر ممکن ہے

اسی طرح کئی ایک مقامات میں اس بات کی صراحت موجود ہے۔ سو جب حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ثابت ہو گیا تو جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا بھی ممکن ٹھہرا، کیونکہ ایک امرِ ممکن کے بعد اس جیسے دوسرے امرِ ممکن کے پائے جانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ایسا وقوع شریعت سے ثابت ہے۔ لہٰذا اب یہ کہنا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ایسا ضعیف امر ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں، درست نہیں کیونکہ امرِ عقلی کی نظیر یہاں موجود ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ "النبراس شرح شرح العقائد"

---

[1] اکمال فی اسماء الرجال، ص۵۹۱، مطبوعہ مکتبہ مدنیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ، صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب الصدق فی البیع والبیان، رقم الحدیث: ۱۵۳۲، الرقم المسلسل: ۳۸۵۹، ج۱ ص ۷۱۳' دار طیبہ للنشر والتوزیع' الریاض' الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، باب الحاء، ج۱ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، تاریخ دمشق الکبیر، ذکر من اسمہ حکیم، ج۱۷ ص ۷۱۔۷۲، رقم الحدیث: ۱۶۹۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ، باب الحاء، ج۲ ص ۴۴، رقم الحدیث: ۱۲۳۴، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت

میں ''رویۃ باری تعالیٰ'' کے مسئلہ میں شرح عقائد کی عبارت ''جائزۃ فی العقل'' کے تحت رقمطراز ہیں:

''انما احتیج الیٰ بیان جوازھا عقلا لیجوز الاستدلال بالنصوص علیٰ وقوع الرؤیۃ و ذٰلك لان النصوص الناطقۃ بما یستحیلہ العقل ماولۃ غیر محمولۃ علیٰ ظاھرھا''۔

ترجمہ: یعنی رؤیۃ باری تعالیٰ کے بیان جواز کی طرف عقلی طور پر محتاجی اس واسطے ہوئی تا کہ نصوص کے ذریعے وقوعِ رویۃ پر (صراحۃً) استدلال جائز اور ممکن ہو جائے کیونکہ ان نصوص ناطقہ میں تاویل ہوتی ہے جسے عقل محال گردانے ان کو اپنے ظاہر پر محمول نہیں کیا جاتا۔ [1]

اسی طرح مسئلہ اثبات عذاب القبر میں عبارت ''لانھا امور ممکنۃ اخبر بھا الصادق'' پر حاشیہ رقم کرتے ہوئے محشیِ نبراس حافظ برخوردار ملتانی صاحب فرماتے ہیں:

''انما صرّح بہ لان من شروط الادلۃ السمعیۃ امکان المدلول اذ لوامتنع المدلول عقلًا لوجب تاویل الدلیل لان العقل اصل النقل کما بین فی موضعہ''۔

یعنی امور ممکنہ ہونے کی صراحت اس لیے کی گئی ہے کہ ادلۂ سمعیہ کی شرائط میں سے ہے کہ مدلول ممکن ہو اس لیے کہ اگر مدلول عقلی اعتبار سے ممتنع ہو تو دلیل کی تاویل واجب ہے کیونکہ عقل، نقل کی اصل ہے جیسا کہ اپنے مقام پر یہ بات واضح ہے۔ [2]

ان عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ جو امر عقلی طور پر ممکن ہو اس کے لیے وارد ہونے والی نصوص اپنے معنیٔ ظاہر پر ہوتی ہیں۔ اور جب حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا متفق علیہ دلیل سے متعین ہو گیا تو اس کے بعد کسی اور شخصیت کے لیے مولود کعبہ ہونا

---

[1] النبراس شرح العقائد للبرہاروی علیہ الرحمہ، ص ۲۴۸، مطبوعہ موسسۃ الشرف، لاہور

[2] حاشیۃ النبراس، نمبر ۲، ص ۳۱۷، مطبوعہ موسسۃ الشرف، لاہور

محال امر نہ رہا۔

عام مخصوص البعض میں تخصیص اور امر ممکن کی نظیر کے لیے دلیل ظنی کافی ہے

دوسرا اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب عام میں تخصیص ہو جائے تو اس کے بعد دلیل ظنی یعنی خبر واحد یا قیاس کے ذریعے تخصیص کرنا بھی جائز ہوتا ہے۔ [1]

یا کہہ لیا جائے کہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ آتی ہے۔ ''عدمِ مولودِ کعبہ'' کی نقیض ولادتِ حکیم ابنِ حزام در کعبہ ہے۔ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے بارے گزشتہ وضاحت کے بعد ''عدمِ مولودِ کعبہ'' کے عموم میں تخصیص پیدا ہو گئی، اب اسی علت کے مطابق کہ خاص مواقع پر عورتیں کعبہ میں داخل ہو جایا کرتی تھیں، ہم حکم لگائیں گے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ بھی ایسے مواقع میں سے ایک موقع پر کعبہ کے اندر داخل ہوئیں اور جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

کیا مولیٰ علی المرتضیٰ کی والدہ ماجدہ آمدِ اسلام سے قبل کافرہ تھیں؟

اگر یہاں پر اشکال پیدا ہو کہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا (معاذ اللہ) آمدِ اسلام سے پہلے کافرہ تھیں اور کعبہ میں اس وقت بت رکھے ہوئے تھے گویا کعبہ بت خانہ تھا اور مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک کافرہ کی گود میں پیدا ہوئے اور یہ دونوں باتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے اب بولنا مناسب نہیں لہٰذا آپ کے مولودِ کعبہ ہونے کا ذکر ہی نہ کیا جائے؟

یہ بڑا مصلحت آمیز مشورہ ہے جو در پردہ کئی خرابیوں کو متضمن ہے کیا حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ آمدِ اسلام سے پہلے کافرہ تھیں؟ ہم زیادہ تفصیل کی طرف نہیں جاتے صرف شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کا اس بارے عقیدہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ فتاویٰ رضویہ میں رقم طراز ہیں:

حضرت مولیٰ علی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش

---

[1] التوضیح والتلویح، بحث قصر العام علی بعض ما یتناولہ۔ الخ، ج ۱ ص ۱۲۲، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی، معدن الاصول، ص ۵۷، مطبوعہ المکتبۃ الحسبیبیہ، قصہ خوانی بازار، پشاور

پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جمالِ جہاں آرا دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں، عادتیں سیکھیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم۔ تو جب سے اُس جنابِ عرفان مآب کو ہوش آیا قطعاً یقیناً رب عزوجل کو ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامنِ پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔ اسی لیے لقبِ کریم ''کرم اللہ وجہہ'' ملا۔

''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْمُبِيْنِ''۔

ترجمہ: یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔

اب رہ گئے صرف چند برس جو روزِ پیدائش سے بالکل ناسمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جا سکتا کہ صدقِ مشتق قیامِ مبدء کو مستلزم۔ کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک وتمیز نامتصور بلکہ اس وقت تک ہر بچے کا دین فطری اسلام ہے۔

''کما نطقت به صحاح الاحادیث''۔

ترجمہ: جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کر لائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں کہ بوجہِ اختلافِ دار تبعیتِ اَبَوَین منقطع ہوگئی۔ اب بہ تبعیتِ دار اُسے مسلم کہا جائے گا:

''فی جنائز الدر صبی سُبِیَ مع احد ابویه لا یصلی علیه لانه تبع له ولو سُبِیَ بدونه فمسلم تبعًا للدّار او للسابی اھ ملخّصًا''۔[1]

ترجمہ: درمختار کتاب الجنائز میں ہے کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کر کے (دارالاسلام میں) لایا گیا (اور مر گیا) تو اس کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ (کافر حربی کے) تابع ہے۔ ہاں اگر تنہا

---

[1] الدر المختار، ج ا ص ۱۲۳، کتاب الصلوۃ، باب صلوۃ الجنائز، مطبع مجتبائی، دہلی

گرفتار ہوتو دار السلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے۔ اھ ملخصاً

''وفی نکاحہ: الولد یتبع خیر الابوین دینًا ان اتحدت الدار۔ الخ''۔[1]

ترجمہ: درمختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبارِ دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اُسی کے تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہو۔ الخ

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار و ناسزا خیال دو امر کے ثبوتِ کافی کا محتاج۔

امر اول: حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہ اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی موحد ہوتو بچہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہرگز نہ کرے گا۔

''لما نصّوا علیہ قاطعۃ من انّ الولد یتبع خیر الابوین دینا''۔

(کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبارِ دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ت)[2]

امر دوم: اس وقت حکمِ تبعیت کا صادق و ثابت ہونا۔

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایۂ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بیہودہ خیال، خیال کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا۔ مگر مولیٰ علی کے رب جل و علا کو حمد و ثناء ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اولاً: اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوت اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی، تین قسم ہیں:

(۱) موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہِ توحید دکھائی۔ جیسے قُس بن ساعدہ و زید بن عمرو بن نفیل و عامر بن الظرب عدوانی و قیس بن عاصم تمیمی

---

[1] الدر المختار، ج۱ ص ۲۱۰، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطبع مجتبائی، دہلی

[2] الدر المختار، ج۱ ص ۲۱۰، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطبع مجتبائی، دہلی

وصفوان بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمیٰ شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم۔

(۲) مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسا کہ اکثر عرب۔

(۳) غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی، بہائم کے مثل زندگی کہ اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔ بہت زنان (عورتوں) و چوپایان واہلِ بوادی (صحرا جنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

(اس سے ذرا آگے کثیر دلائل دیتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لیے صراحۃ اختیار شرک، یا برقولِ آخر باوصفِ مہلتِ تامل، ترکِ توحید کا ثبوت لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون ''کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی'' (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کر چکے ہیں)۔

مخالف جو دلیل رکھتا ہو پیش کرے اور جب نہ پیش کر سکے تو رجماً بالغیب حکم تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاقِ کفر اور وہ بھی معاذ اللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہو سکتا ہے؟

کیا محتمل نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں؟

تو وَلد انہیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکمِ کفر ہرگز صحیح نہ ہو سکے گا۔ [1]

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تحقیق انیق ملاحظہ فرمانے کے بعد عشاقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی شخصیت کو کسی بھی زمانے میں کفر کی نجاست سے آلودہ نہیں سمجھ سکتے جس کے بارے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے وصال کے وقت ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا ہو: اے میری ماں کے بعد میری ماں! اللہ تجھ پر رحم فرمائے پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کی تعریف کی اور انہیں اپنی چادر میں کفن دیا۔ پھر حضور

---

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۸ ص ۴۳۶_۴۳۹، ثم ۴۵۰، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

علیہ السلام نے حضرت اسامہ بن زید، ابو ایوب انصار، عمر ابن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام رضی اللہ عنہم کو بلایا انہوں نے قبر کھودی، جب لحد تک پہنچے تو خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لحد اپنے دست مبارک سے کھودی اور آپ اس میں لیٹ گئے پھر یوں دعا کی:

''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ اَسَدٍ وَوَسِّعْ عَلَیْھَا مُدْخَلَھَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ''۔[1]

ترجمہ: اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے اپنے نبی کے وسیلہ سے اور ان انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلہ سے جو مجھ سے پہلے ہوئے کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔

یہ بات تو یقینی ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا وصال شریف آپ کی ۶ برس کی عمر میں ہو گیا تھا۔ ان کے بعد آپ کے کھانے پینے اور خدمت گزاری کا مکمل خیال رکھنے والی ہستی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا ہیں۔ جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''میری ماں کے بعد میری ماں'' کے فرمان سے نوازا۔ بیشک یہ حالت کفر کی نہیں ہو سکتی اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت شریف اس خدمت کے دوران ہوئی۔ اب ہم خود ہی فیصلہ کریں کہ کیا ان کے لیے کسی بھی طرح کے نازیبا کلمات کی گنجائش بنتی ہے۔ خواہ مخواہ برگزیدہ ہستیوں کے بارے برے کلمات کہنا اپنی قبر کو سامانِ تکلیف مہیا کرنا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے۔ آمین

اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس رسالہ مبارکہ یعنی ''تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ'' میں کئی ایک اشکالات کے حل بھی فرمائے ہیں جو قابلِ مطالعہ ہیں۔

کیا مولیٰ علی المرتضیٰ بت خانہ میں پیدا ہوئے؟

رہ گیا کعبہ کو بت خانہ کہنا یہ بڑی نامناسب بات ہے کیا اس وقت کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت ہوتی تھی یا بت خانہ کی طرف منہ کر کے موحدین عبادت کرتے تھے؟

[1] وفاء الوفاء، ج ۲ ص ۸۹، ۴۲۰، سیرت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، ص ۴۸۸، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

کیا مسجد میں بت رکھنے سے مسجد کی مسجدیت ختم ہو جاتی ہے؟

ابرہہ بادشاہ نے جب حملہ کیا تو اس سے پہلے جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے گفتگو کے دوران ابرہہ نے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم میرے اونٹ واپس کردو۔ اس پر ابرہہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا: تمہیں اونٹوں کی فکر ہے اور خانہ کعبہ کی کوئی فکر نہیں۔ شیخ زادہ کے اس مقام پر الفاظ ہیں:

''اما تعلم انی جئت لا ھدم البیت الذی ھو دینك و دین اٰبائك وعصمتکم و شرفکم فی قدیم الدھر قال انا رب الابل وللبیت رب سیمنعه''۔

ترجمہ: کیا تو جانتا نہیں کہ میں اس گھر کو گرانے آیا ہوں جو گھر تیرے اور تیرے آباء واجداد کا دین ہے اور قدیم زمانے میں تمہاری عصمت وشرافت کا نشان رہا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا مالک عنقریب اس سے روک دے گا۔

اور صاحبِ ''عصیدۃ الشہدۃ'' یوں رقم طراز ہیں:

''قال عبدالمطلب لست انا بصاحب الکعبة فان لھا صاحبا یحفظھا (الی اَن قال) فجاء عبدالمطلب فاَخذ حلقة البیت فدعا و تضرع فوثب النور من جبهته فوقع فی الکعبة و نصب الی السماء''۔

ترجمہ: جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں صاحبِ کعبہ نہیں ہوں اس کا صاحب اس کی خود حفاظت کرے گا (اس سے ذرا آگے ہے) جناب عبدالمطلب (ابرہہ کے پاس سے ہوکر) آئے تو آپ نے بیت اللہ شریف کے حلقہ کو پکڑا دعا فرمائی اور گریہ و زاری کی اس کے بعد آپ کی پیشانی سے نور پھوٹا اور کعبہ میں واقع ہوا اور آسمان تک بلند ہوگیا۔ [1]

---

[1] عصیدۃ الشہدہ شرح قصیدۃ البردۃ و بہامشہ شرح شیخ زادہ، ص ۱۲۵، مطبوعہ نور محمد، آرام باغ، کراچی، دلائل النبوۃ للبیہقی، ج ۱ ص ۱۱۹۔۱۲۱، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، تفسیر کبیر، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ان کتب میں اور دیگر کتب سیرت میں یہ واقعہ تفصیلاً موجود ہے۔

اس کے بعد ابرہہ نے بڑے غرور سے کہا کہ کوئی بھی میری زد سے کعبہ کو نہیں بچا سکتا۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کعبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرکے ''رب البیت'' اور ''صاحب البیت'' ایسے الفاظ ارشاد فرمائے، بت خانہ نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ واقعہ حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے پہلے تو کجا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش مبارک سے بھی پہلے کا ہے۔

پھر ابرہہ بیت اللہ شریف کو موحدین کا ''دین'' بول رہا ہے اور وہ بت خانہ نہیں ہو سکتا۔

پھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی پیشانی اقدس سے نور پھوٹ کر کعبہ میں واقع ہوا۔ بت خانہ میں نہیں۔ اور کعبہ شریف سے آسمان تک نور بلند ہوا، بت خانے سے نہیں۔

اگر ابرہہ بت خانہ کو گرانے آیا تھا تو اس میں اس کی مدح کرنی چاہیے حالانکہ قرآن مجید ''اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝۲'' (الفیل:۲) فرما کر اس خبیث کی مذمت بیان فرما رہا ہے۔ معلوم ہوا وہ بیت اللہ شریف کو گرانے آیا تھا اگرچہ اس میں بت تھے لیکن ان بتوں سے کعبہ کا کعبہ ہونا ختم نہ ہوا تھا۔

سو ان امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا درست نہ ہوا کہ گویا خانہ کعبہ بت خانہ بن چکا تھا کیونکہ وہ ''بیت اللہ'' دینِ عبدالمطلب و ابراہیم کے مطابق منبع نور تھا۔

دلیل عقلی، منقولی دلیل کی طرح حجت الٰہیہ سے ہے

یہ بات مخفی نہ رہے کہ دلیلِ عقلی دلیلِ منقولی کی طرح اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔

چنانچہ علامہ بدرالدین عینی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

''وانما حملنا علیه توفیقاً بین ما قلنا من الدلیل العقلی و بینه

(بقیہ صفحہ سابقہ) ج۱۱ص ۲۸۸۔۲۸۹، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت

لان العقل حجۃ من حجج اللہ تعالیٰ کالنقل"۔

ترجمہ: ہم نے اپنی کہی ہوئی دلیلِ عقلی اور منقولی کے درمیان موافقت کرنے کے لیے اس معنی پر محمول کیا کیونکہ دلیل عقلی منقولی دلیل کی طرح اللہ تعالیٰ کی حجتوں میں سے ایک حجت ہے۔[1]

اسی معقولی بات کو ہی محدثین و ناقدین نے اپنی کتب میں بیان فرمایا اور امام حاکم نے "مستدرک" میں اس پر تواترِ اخبار کا دعویٰ فرمایا، اور اگر اس کے لیے حدیثِ ضعیف بھی ہو تو کافی ہے کیونکہ اس کا شمار بھی دلیلِ ظنی سے ثابت ہونے والے امور سے ہوتا ہے، ہم اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے اشکالات کے حل بھی پیش کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) تاہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے پر کچھ دلائل قارئین کی نظر کرتے ہیں۔

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولود کعبہ ہونے پر دلائل

امام حاکم علیہ الرحمہ اپنی سند کے ساتھ حضرت مصعب بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے روایت نقل فرماتے ہیں:

"وبه قال حدثنا مصعب بن عبدالله فذكر نسب حكيم بن حزام وزاد فيه وامه فاختة بنت زهير بن اسد بن عبد العزى و كانت ولدت حكيمًا فى الكعبة وهى حامل فضربها المخاض وهى فى جوف الكعبة فولدت فيها فحملت فى نطع و غسل ما كان تحتها من الثياب عند حوض زمزم، ولم يولد قبلهٗ ولا بعدهٗ فى الكعبة احد، قال الحاكم: وهم مصعب فى الحرف الاخير فقد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت أسد ولدت امير المؤمنين على بن أبى طالب كرم الله وجهه فى جوف الكعبة"۔

[1] البنایہ فی شرح الہدایہ، ج ۲ ص ۴۵۵، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان

اس کی تلخیص کرتے ہوئے امام الناقدین حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

"و عن ابی الزناد قال قدم حکیم المدینۃ و بنی بہا دارًا و بہامات سنۃ اربع و خمسین، وھو ابن مائۃ و عشرین سنۃ. قال مصعب بن عبداللہ و ام حکیم ھی فاختۃ بنت زھیر بن اسد بن عبدالعزی ولدت حکیما فی الکعبۃ ضربہا المخاض فی جوف الکعبۃ و غسل ما تحتہا من الشیاب عند حوض زمزم ولم یولد قبلہ ولا بعدہ احد فی الکعبۃ قال الحاکم: وھم مصعب فی الحرف الاخیر فقد تواترت الاخبار ان علیا ولد فی جوف الکعبۃ"۔

یعنی حضرت حکیم ابن حزام جب مدینہ آئے تو گھر بنایا اور ۵۴ ھجری میں ایک سو بیس سال کی عمر پا کر اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کی والدہ محترمہ حضرت فاختہ بنت زھیر ابن اسد ابن عبدالعزیٰ حالت حمل میں تھیں کعبہ کے درمیان میں دردِ زہ اٹھا تو آپ نے کعبہ کے اندر ہی اپنے بیٹے کو جنم دیا، حضرت حکیم ابن حزام کو چمڑے کے بچھونے میں اٹھایا اور جو کپڑا (بوقتِ ولادت) بی بی فاختہ کے نیچے تھا اسے زمزم کے حوض کے پاس دھویا گیا "لم یولد قبلہ ولا بعدہ أحد فی الکعبۃ" نہ کوئی اس سے پہلے کعبہ میں جنا گیا اور نہ ہی بعد میں کسی کی کعبہ میں پیدائش ہوئی۔ امام حاکم فرماتے ہیں، راوی مصعب بن عبداللہ کو آخری جملہ میں وہم اور مغالطہ ہو گیا ہے۔ بے شک تواترِ اخبار اس بات پر ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ [1]

کچھ نازیبا کلمات کا بیان

اس عبارت کا مکمل بیان پیش کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا اسی مقام پر حل کرنا ہے۔ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے بارے مولود کعبہ کے مسئلہ میں بڑے نازیبا الفاظ استعمال کیے گئے ہیں لکھنے والا لکھتا ہے:

فاطمہ بنت اسد ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟ با اخلاق عورتیں تو

[1] المستدرک مع التلخیص، کتاب معرفۃ الصحابۃ، ج ۳ ص ۴۸۳، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت

احتیاطاً پانچ چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی ہیں اور اگر ولادت میں وقفہ و دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر کیوں نہ چلی گئیں؟ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِ زہ سے کراہتی رہیں؟ محترمہ کو کیسے پتا چلا کہ کعبہ کی دیوار کہاں سے پھٹی ہے اور کتنی پھٹی؟ بوقتِ ولادت کراہنے اور شور مچانے کے علاوہ رحم سے کافی گندی اشیاء بھی نکلتی ہیں اور اس سے فرشِ کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ ولادت کے فوراً بعد کئی گھنٹے زچہ عورت چلنے کے قابل نہیں ہوتی تو کون ان محترمہ کو اٹھا کر گھر لایا؟ اگر کعبے میں ولادت کی اشرفیت یا افضلیت ہوتی تو یہ کفار کو نہ ملتی بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی ولادت کعبہ میں ہوتی۔ العیاذ باللہ

عدم مولود کعبہ کے عقلی دلائل حضرت حکیم ابن حزام کے لیے کیوں نہیں؟

اس وقت ہم اتنی گزارش کرتے ہیں کہ یہ جتنے بھی عقلی احتمالات ہیں، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عدم مولودِ کعبہ ہونے کے بارے کیوں بیان کیے گئے ہیں؟ یہ روش درست نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت در کعبہ کے بارے عظیم محدثین اور مؤرخین سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے، اب اس کا انکار ممکن نہیں۔ لہٰذا جو عقلی احتمالات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عدم مولودِ کعبہ کے بارے وارد کیے گئے ہیں وہی عقلی احتمالات جناب حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت در کعبہ کو بھی مانع ہوں گے۔ حالانکہ حضرت حکیم ابن حزام کی ولادت در کعبہ ثابت ہے۔ سو یہ احتمالات فاسد و باطل ٹھہرے۔ ایسی کمزور وجوہات اور احتمالاتِ فاسدہ کے بعد یوں کہنا: ''فاطمہ بنت اسد ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟ بااخلاق عورتیں تو احتیاطاً پانچ، چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی ہیں...... الخ'' ایسی بے حجابانہ گفتگو کسی مسلمان کو لائق نہیں۔ اس تنقیدانہ تبصرہ کو کیا ہم حضرت حکیم ابنِ حزام رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کے بارے میں بھی استعمال کریں گے؟ کیا ان کے بارے یہ کہیں گے کہ حکیم ابن حزام کی والدہ محترمہ حضرت فاختہ بنتِ زہیر ایسی نازک حالت میں گھر سے نکلی ہی کیوں؟ بااخلاق عورتیں تو احتیاطاً پانچ چھ دن پہلے گھر سے نکلنا بند کر دیتی ہیں اور اگر ولادت میں وقفہ و دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر کیوں نہ چلی گئیں۔ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِ زہ سے کراہتی

رہیں؟ بوقتِ ولادت کراہنے اور شور مچانے کے رحم سے کافی گندی اشیاء بھی نکلتی ہیں اور اس سے فرشِ کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ ولادت کے فوراً بعد کئی گھنٹے زچہ عورت چلنے کے قابل نہیں ہوتی تو کون ان محترمہ کو اٹھا کر گھر لایا؟ صدہا افسوس ان کلماتِ مکروہہ پر۔

خیال رہے یہ اعتراض منکرینِ حدیث کے انداز پر معلوم ہوتا ہے آج بھی غامدی و پرویزی قسم کا فرقہ ایسے ہی اعتراضات احادیثِ طیبہ پر کرتا ہے اور بالکل واضح حیثیت سے احادیث کا منکر ہوتا چلا جاتا ہے۔

اگر ولادت در کعبہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ کو ایسا کہا ہے تو کیا حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ بھی بے اخلاق تھیں؟ ایسے جملے کوئی بندہ اپنی ماں، نانی یا دادی کے بارے نہیں کہتا کہ اگر ولادت میں وقفہ و دیر ہی تھی تو اس وقفے میں گھر کیوں نہ چلی گئیں؟ وہیں اکیلی لوگوں کے سامنے کیوں دردِزہ سے کراہتی رہیں؟ افسوس کہ آج بھی اس مسئلہ کو ہوا دینے والے ایسے ہی جملوں کا استعمال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے عقلی اعتبار سے بھی مسئلہ کا رد کر دیا، لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ ان کی یہ خوش فہمی اپنے ہی ہاتھ سے جگر چیر ڈالنے کے مترادف ہے اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔ اب رہ گیا یہ اعتراض کہ رحم سے کافی گندی اشیاء نکلتی ہیں، اور اس سے فرشِ کعبہ خراب ہوا ہوگا وہ کس نے صاف کیا؟ اسی طرح ان محترمہ کو اٹھا کر گھر کون لایا؟ حضرت حکیم ابن حزام کی ولادت کی روایت میں بچھونے کا ذکر ہے کہ بعد از ولادت اسے زمزم کے پاس دھویا گیا، اور جیسے جناب حکیم ابن حزام کی والدہ محترمہ کو گھر اٹھا کر لایا گیا اسی طرح ان کو بھی لایا گیا۔ اگر کعبہ ان کی پیدائش سے زچہ خانہ نہ بنا تو ولادتِ حضرت علی سے کیوں بن گیا۔ جب حکیم ابن حزام کے مولودِ کعبہ ہونے سے خانۂ خدا آلودہ نہ ہوا تو جس ہستی کو احکامِ شرع کے مکلف ہونے کے بعد جنبی حالت میں مسجد سے گزر جانے کی اجازت ہو تو [1] اس منبع کرامت کا احکامِ شرع کے نافذ ہونے سے پہلے مولودِ کعبہ ہونا باعثِ آلودگی کیوں ٹھہرا؟ اور اتنا محال امر

[1] ترمذی شریف، ج ۲ ص ۲۱۴، ابواب المناقب، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

کیوں بن اٹھا؟

یہ عقلی اعتراضات اس وقت قابلِ تسلیم ہوتے اگر یہ عقلی احتمالات محالات میں سے ہوتے جبکہ ان میں سے کوئی امر عقلی ممتنع و محال نہیں بلکہ ممکن ہے اور امر ممکن کو معرضِ امتناع میں رکھنا غیر معقولی امر ہے۔

امر ممکن کے بعد ایسے دیگر امر ممکن کی مثال

ایک امر ممکن کے بعد اس جیسے دوسرے امر ممکن کے درست ہونے کی مثال دیکھئے۔ جناب صاحبزادہ اقتدار خان نعیمی صاحب نے حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بیڑے والی کرامت ثابت کرنے کے لیے حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کا بیان فرما کر اس پر قیاس کیا ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں: جس طرح غوث پاک کی دوسری بہت سی کرامات مختلف کتب سے ثابت ہیں اسی طرح یہ بارہ برس بعد ڈوبی ہوئی بارات کا زندہ نکالنا بھی چند بزرگوں کی کتب سے ثابت ہے۔ چنانچہ کتاب سلطان الاذکار اور شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ کی تصنیف شدہ کتاب خلاصہ قادریہ کے صفحہ ۴۰ پر یہ واقعہ تفصیل سے درج ہے اسی طرح مولانا برخوردار ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (محشیِ نبراس) اپنی کتاب غوث اعظم کے صفحہ ۶۷ پر فرماتے ہیں کہ واقعہ بہت مشہور ہے کسی واقعے کو ماننے کے لیے اتنی شہرت کافی ہے اور ایمان والوں کے لیے تو بزرگوں کے اقوال ہی سند کثیر ہیں کیونکہ انکار کی کوئی شرعی وجہ معلوم نہیں ہوتی اور بلاوجہ انکار گناہ ہے۔ بارہ برس کے بعد ڈوبے ہوئے لوگوں کو زندہ نکال لینا یہ میرے رب کی قدرت کاملہ ہے جس کا ظہور ذات غوث پاک سے ہوا۔

اب اس قدرت کا انکار شانِ خداوندی میں اسی طرح گستاخی ہے جس طرح قرآن پاک کا بیان کردہ حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ کہ حضرت عزیر علیہ السلام سو سال تک فوت رہے اور پھر زندہ ہو گئے۔ قرآن پاک نے سو سال بعد زندہ ہونے کا ذکر فرمایا اس کو ماننا اور اس کی حقانیت پر یقین رکھنا عین ایمان ہے۔ اس کا منکر کافر صریحی ہے۔ حالانکہ سو سال بعد زندگی زیادہ تعجب ناک ہے بارہ سال بعد زندگی سے، جو رب تعالیٰ سو سال بعد زندہ کر سکتا ہے اس پر بارہ سال بعد زندہ کرنا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے اور جب اس

کا اقرار ہے تو اس کا انکار کیوں۔ وہ بھی قدرت کا کرشمہ تھا یہ بھی۔ نہ وہ قانونی فعل نہ یہ۔ وہاں بھی معجزانہ طور پر قدرتِ الٰہی کو آشکار کرنا تھا، یہاں بھی یہی وجہ ہے کہ جلد خراب ہونے والا سالن کھانا پینا سو سال تک خراب نہ ہوا، اور لمبی زندگی والا اپنی طبعی زندگی پوری کر کے مر جانے والا ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر گل سڑ گیا۔ وہی دھوپ اور بارشیں جسم پاک عزیر علیہ السلام پر پڑیں، مگر معجزانہ طور پر اس کو کچھ بھی نہ ہوا جس طرح یہ سب کچھ قدرتی امر تھا اسی طرح بارہ سال بعد زندہ کرنا بھی قدرتی امر تھا فرق صرف اتنا تھا کہ وہ نبی علیہ السلام کے جسم پر بطور معجزہ ظاہر ہوا اور یہ غوثِ پاک رضی اللہ عنہ کے دستِ اقدس پر بطور کرامت ظاہر ہوا بلکہ یاد رکھو کہ جس طرح معجزات باری تعالیٰ کے قانون کو ثابت کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ اسی طرح کرامات معجزوں کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔ قانون کے منکروں کو معجزات دکھا کر قائل و مائل کیا جاتا ہے۔ معجزات کے منکروں کو کرامات اولیاء اللہ دکھا کر قائل و مائل کیا جاتا ہے...... الخ

اس سے کچھ آگے فرماتے ہیں: اہل علم کے نزدیک صرف ان چیزوں کا انکار کیا جائے گا جن میں مندرجہ ذیل خرابیاں ہوں۔

(۱) اصولِ اربعہ فقیہ شرعیہ کے بعد ظہور میں آئیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہ ہوں۔

(۲) جس چیز میں کسی اسلامی قانون کا مقابلہ پایا جائے وہ کرامت بناوٹی اور شرعاً نا قابلِ قبول ہوتی ہے...... الخ

(۳) جس کرامت سے کسی دوسرے بزرگ کی شان میں گستاخی ہو وہ کرامت بھی غلط ہے...... الخ

(۴) اسی طرح وہ کرامت جس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہوتی ہے۔

پھر اس سے ذرا آگے لکھتے ہیں:

سوال مذکورہ میں مسئولہ کرامت غوثِ پاک شریعت اور اصولِ قرآن کریم کے مطابق ہے اور کتابوں میں مشہور ہے اس لیے شرعاً بالکل درست و صحیح ہے بلا وجہ ہٹ دھرمی

گناہ ہے۔ [1]

اس وضاحت سے چند امور سامنے آئے کہ کسی واقعے کو ماننے کے لیے واقعہ کا مشہور ہونا کافی ہے۔ اور اس کے حوالے کسی حدیث سے ضروری نہیں کتب سلف صالحین سے بھی کافی ووافی ہیں کیونکہ ایمان والوں کے لیے تو بزرگوں کے اقوال ہی سند کثیر ہیں۔

کوئی کرامات اصول اربعہ کے بعد ظہور میں آئیں اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق نہ ہوں۔

جس چیز میں کسی اسلامی قانون کی مخالفت ہو وہ کرامت مقبول نہیں ہوتی۔

جس کرامت سے کسی دوسرے بزرگ کی شان میں گستاخی ہوتی ہو وہ کرامت غلط ہے۔

ایک واقعہ اگر ثابت ہو تو اس جیسا دوسرا واقعہ مذکورہ شرائط کے مطابق ہو تو مان لیا جائے گا۔

اسی طرح غزالیٔ زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب علیہ الرحمہ ''مقالاتِ کاظمی'' میں رقم طراز ہیں:

مسجد اقصیٰ تک جانے میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا ہونا ثابت ہو گیا تو آسمانوں کی معراج بھی سچی ثابت ہو گئی اس لیے کہ جس طرح آسمانوں پر جانا محال ہے بالکل اسی طرح رات کے تھوڑے سے حصہ میں مکہ سے مسجد اقصیٰ جا کر واپس آجانا بھی محال ہے جب یہ جانا اور آنا محال نہ رہا تو آسمان پر جا کر واپس آنا ان کے لیے کیونکر محال رہ سکتا تھا؟ [2]

لہٰذا ان ثابت شدہ امور کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جس طرح حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ مولودِ کعبہ ہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کا واقعہ مشہور ہونے کی بنا پر قابلِ قبول ہے۔

اور مستند کتب میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے جو تاریخی واقعہ کے لیے ایک دلیل کی

---

[1] فتاویٰ نعیمیہ، ج ۲ ص ۳۰۳۔۳۰۶، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ، گجرات

[2] مقالاتِ کاظمی، ج ۱ ص ۱۳۱، مطبوعہ کاظمی پبلی کیشنز، جامعہ اسلامیہ انوار العلوم، ملتان

حیثیت رکھتا ہے پھر ہر واقعہ کے لیے سند کا مطالبہ بھی درست نہیں مثلاً تمام کتب احادیث صحاح میں جہاں بھی واقعۂ معراج بیان ہوا وہ باسند ہے لیکن حضور غوث اعظم محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا ذکر پاک واقعہ معراج میں کسی باسند روایت میں نہیں ہے تو کیا ہم آپ کے ذکر والے واقعہ کو بے سند کہہ کر رد کر دیں گے یا شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کی طرح تسلیم کریں گے، چنانچہ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ موجودہ حسبِ ارشاد کی اس بارے مدح سرائی کرتے ہوئے سوال کا جواب دیتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

جوابِ سوال: ۱

رہا شبِ معراج میں روح پُرفتوح حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا حاضر ہو کر پائے اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نیچے گردن رکھنا اور وقت رکوبِ براق یا صعودِ عرش زینہ بننا، شرعاً و عقلاً اس میں بھی کوئی استحالہ نہیں۔

سدرۃ المنتہیٰ اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبارِ اجسام نہ بنظرِ ارواح، عروج روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت و واقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علومِ اولیاء کا منکر بلکہ باوضو سونے والے کے لیے حدیث میں وارد کہ اس کی رُوح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔

نہ اس قصہ میں معاذ اللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اشارت سے کوئی ذہن سلیم اس طرف جا سکتا ہے۔ کیا عجب سواریٔ براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔ در پردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہ نفسِ نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔

''یا ھذا'' خدمت کے افعال جو بنظرِ تعظیم و اجلال سلاطین بجا لاتے ہیں کیا ان کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے؟ علاوہ بریں کسی

بلندی پر جانے کے لیے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر، نردبان ہی کو دیکھیں کہ زینہ صعود ہے اور خود اصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجیے کہ ہنگام بُت شکنی حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ' کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پُرنور افضل صلوات اللہ و اکمل تسلیماتہ علیہ وعلیٰ آلہ ان کے دوش مبارک پر قدم رکھ کر بُت گراتے تو کیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو معاذ اللہ اس کام میں عاجز اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ' قادر تھے۔ غرض ایسے معنے محال، نہ ہرگز عبارت قصّہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد۔ ''واللہ الھادی الیٰ سبیل الرشاد'' اور اللہ تعالیٰ ہر درست راستے کی طرف ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ (ت)

یہ بیان ابطال استحالہ و اثبات صحت بمعنی امکان کے متعلق تھا، رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفر اللہ تعالیٰ کے مجلد دوم ''العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویۃ'' کی کتاب مسائل شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اجین سے آیا اور اس کا جواب قدرے مفصل دیا گیا تھا۔

خلاصۂ مقصد اس کا مع زیاداتِ جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلمات بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی و شرعی کوئی استحالہ نہیں، بلکہ احادیث و اقوال اولیاء و علماء میں متعدد بندگانِ خدا کے لیے ایسا حضور روحانی وارد۔

(۱، ۲) مسلم اپنی صحیح اور ابوداود طیالسی مسند میں جابر بن عبد اللہ انصاری اور عبد بن حمید بسندِ حسن انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ما ھذہ قالوا ھذا بلال ثم دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ما ھذہ قالوا ھذہ الغمیصاء بنت ملحان''۔[1]

---

[1] کنز العمال بحوالہ ''عبد بن حمید عن انس و الطیالسی عن جابر'' ج ۱۱ ص ۶۵۳، رقم الحدیث: ۳۳۱۶۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، مسند ابی داؤد الطیالسی ''عن جابر'' (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سُنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا: غمیصاء بنت ملحان، یعنی ام سلیم مادرِ انس رضی اللہ عنہما۔

ان کا انتقال خلافتِ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ میں ہوا ''کما ذکرہ الحافظ فی التقریب'' [۱] جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کو ذکر کیا۔ (ت)

(۳) امام احمد و ابویعلیٰ بسندِ صحیح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور۔۔

(۴) طبرانی کبیر اور ابن عدی کامل بسندِ حسن ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''دخلت الجنة فسمعت فی جانبها وجسا فقلت یا جبرئیل ما هذا قال هذا بلال المؤذن''۔ [۲]

ترجمہ: میں شب معراج جنت میں تشریف لے گیا اس کے گوشہ میں ایک آواز نرم سنی، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ بلال مؤذن ہیں (رضی اللہ عنہ)۔

(۵) امام احمد و مسلم و نسائی انس رضی اللہ عنہ سے راوی، حضور والاصلوات اللہ تعالیٰ وسلامہٗ علیہ فرماتے ہیں:

''دخلت الجنة فسمعت خشفة بين يدى، فقلت ما هذه الخشفة، فقيل الغميصاء بنت ملحان''۔ [۳]

ترجمہ: میں بہشت میں رونق افروز ہوا، اپنے آگے ایک کھٹکا سُنا، پوچھا: اے

(بقیہ صفحہ سابقہ) الجزء ۷ ص ۲۳۸، رقم الحدیث: ۱۷۱۹، دار المعرفۃ، بیروت، صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۹۲، کتاب الفضائل، باب من فضائل ام سلیم الخ، قدیمی کتب خانہ؛ کراچی

[۱] تقریب التہذیب، ترجمہ ۸۷۸۰ ام سلیم بنت ملحان، ج ۲ ص ۶۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت

[۲] کنز العمال، ج ۱۱ ص ۶۵۳، رقم الحدیث: ۳۳۱۶۲ ـ ۳۳۱۶۳، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، الکامل لابن عدی ترجمہ یحییٰ بن ابی حبۃ ابن جناب الکلبی، ج ۷، رقم الحدیث: ۲۶۷۰، دار الفکر، بیروت

[۳] صحیح مسلم، ج ۲ ص ۲۹۲، کتاب الفضائل، باب من ام سلیم الخ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، مسند احمد بن حنبل، عن انس رضی اللہ عنہ، ج ۳ ص ۹۹، المکتب الاسلامی، بیروت

جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی: غمیصاء بنت ملحان۔

(۶) امام احمد و نسائی و حاکم باسنادِ صحیحہ اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی، حضور سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''دخلت الجنة فسمعت فیها قراءة. فقلت من هذا؟ قالوا حارثة بن نعمان. کذلکم البر کذلکم البر''۔[1]

ترجمہ: میں بہشت میں جلوہ فرما ہوا، وہاں قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی، پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی: حارثہ بن نعمان۔ نیکی ایسی ہوتی ہے، نیکی ایسی ہوتی ہے۔

یہ حارثہ رضی اللہ عنہ خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں راہی جناں ہوئے۔

''قاله ابن سعد فی الطبقات و ذکره الحافظ فی الاصابة''۔[2]

ترجمہ: ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا۔(ت)

(۷) ابن سعد طبقات میں ابوبکر عدوی سے مرسلاً راوی حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

''دخلت الجنة فسمعت نحمة من نعیم''۔[3]

ترجمہ: میں جنت میں تشریف فرما ہوا تو نعیم کی کھکار سُنی۔

یہ نعیم بن عبداللہ عدوی معروف بہ نحام (کہ اسی حدیث کی وجہ سے ان کا یہ عرف قرار پایا) خلافت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں جنگِ اجنادین میں شہید ہوئے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل، عن عائشہ رضی اللہ عنہا، ج۶ ص ۳۶، المکتب الاسلامی، بیروت، المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ مناقب حارثہ بن نعمان، ج ۳ ص ۲۰۸، دار الفکر، بیروت، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ بحوالہ النسائی، ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان، ج۱ ص ۲۹۸، دار صادر، بیروت

[2] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ بحوالہ النسائی، ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان، ج۱ ص ۲۹۹، دار صادر، بیروت، الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ترجمہ حارثہ بن نعمان حارثہ بن نعمان، ج ۳ ص ۴۸۸، دار صادر، بیروت

[3] الطبقات الکبریٰ لابن سعد الطبقۃ الثانیہ من المہاجرین والانصار ترجمہ نعیم بن (بقیہ اگلے صفحہ پر)

"کما ذکرہ موسیٰ بن عقبۃ فی المغازی عن الزھری و کذا قالہ ابن اسحٰق و مصعب الزبیری و اٰخرون کما فی الاصابۃ"۔[1]

ترجمہ: جیسا کہ موسیٰ بن عقبہ نے مغازی میں زہری کے حوالے سے اس کو ذکر کیا۔ یُوں ہی کہا ابن اسحٰق اور مصعب زبیری اور دیگر علماء نے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! جب احادیثِ صحیحہ سے احیائے عالم شہادت کا حضور ثابت تو عالم ارواح سے بعض ارواح قدسیہ کا حضور کیا دُور۔

(۸) امام ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوالمخارق سے مرسلاً راوی، حضور پُرنور صلوات اللہ سلامہ علیہ فرماتے ہیں:

"مررت لیلۃ اسریٰ بی برجل مغیب نور العرش، قلت: من ھذا، املك؟ قیل: لا۔ قلت: نبیٌ؟ قیل: لا۔ قلت: من ھذا؟ قال: ھذا رجل کان فی الدنیا لسانہ رطب من ذکر اللہ تعالٰی و قلبہ معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیہ قط"۔[2]

ترجمہ: یعنی شبِ اسریٰ میرا گزر ایک مرد پر ہوا کہ عرش کے نور میں غائب تھا، میں نے فرمایا: یہ کون ہے، کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: نبی ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: کون ہے؟ عرض کرنے والے نے عرض کی: یہ ایک مرد ہے دُنیا میں اس کی زبان یادِ الٰہی سے تر تھی اور دل مسجدوں سے لگا ہوا۔ اور (اس نے کسی کے ماں باپ کو بُرا کہہ کر) کبھی اپنے ماں باپ کو بُرا نہ کہلوایا۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) عبداللہ المعروف النحام، ج ۴ ص ۱۳۸، دار صادر، بیروت

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ نعیم بن عبداللہ، رقم الحدیث: ۸۷۷۶، ج ۳ ص ۵۶۸، دار صادر، بیروت

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت الآیۃ ۲/۱۵۲، ۱/۱۴۹، مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، قم، ایران، الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا، کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ، ج ۲ ص ۳۹۵، مصطفی البابی، مصر

''ثم أقول و باللہ التوفیق''۔

ترجمہ: پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔(ت)

کیوں راہ دور سے مقصد قرب نشان دیجئے، فیض قادریت جوش پر ہے، بحر حدیث سے خاص گوہر مراد حاصل کیجئے۔ حدیث مرفوع مروی کتب مشہورہ ائمہ محدثین سے ثابت کہ حضور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ مع اپنے تمام مریدین و اصحاب و غلامان بارگاہ آسمان قباب کے شب اسریٰ اپنے مہربان باپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور اقدس کے ہمراہ بیت المعمور میں گئے وہاں حضور پُرنور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ ''و الحمد للہ رب العٰلمین'' سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔(ت)

اب ناظر غیر وسیع النظر متعجبانہ پوچھے گا کہ یہ کیونکر؟ ہاں ہم سے سُنئے: ''واللہ الموفق''۔

ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابو یعلیٰ و ابن مردویہ و بیہقی و ابن عساکر حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی، حضور اقدس سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''ثم صعدت الی السماء السابعة فاذا انا بابراهيم الخليل مسندا ظهره الى البيت المعمور (فذكر الحديث الى ان قال) و اذا بامتي شطرين شطر عليهم ثياب بيض كانها القراطيس و شطر عليهم ثياب رمد فدخلت البيت المعمور و دخل الذين عليهم الثياب البيض و حجب الاخرون معي الذين عليهم ثياب رمد وهم على خير فصليت انا و من معي من المومنين في البيت المعمور ثم خرجت انا و من معی''۔[1] (الحدیث)

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر، باب ذکر عروجہ الی السماء الخ، ج ۳ ص ۲۹۴، دار احیاء التراث العربی، بیروت، دلائل النبوۃ للبیہقی، باب الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرج بہ الی السماء، ج ۲ ص (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ترجمہ: پھر میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گیا، ناگاہ وہاں ابراہیم خلیل اللہ ملے کہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے تشریف فرما ہیں اور ناگاہ اپنی امت دو قسم پائی، ایک قسم کے سپید کپڑے ہیں کاغذ کی طرح، اور دوسری قسم کا خاکستر لباس۔ میں بیت المعمور کے اندر تشریف لے گیا اور میرے ساتھ سپید پوش بھی گئے، میلے کپڑوں والے روکے گئے مگر ہیں وہ بھی خیر وخوبی پر۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے مسلمانوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ پھر میں اور میرے ساتھ والے باہر آئے۔

ظاہر ہے کہ جب ساری امت مرحومہ بفضلہٖ عزوجل شرف باریاب سے مشرف ہوئی یہاں تک کہ میلے لباس والے بھی تو حضور غوث الوریٰ اور حضور کے منتسبان باصفا تو بلاشبہ ان اجلی پوشاک والوں میں ہیں، جنہوں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ بیت المعمور میں جا کر نماز پڑھی: ''والحمد للہ رب العلمین'' سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔(ت)

سند محدثانہ کا نہ ہونا علامتِ جھوٹ نہیں ہے

اب کہاں گئے وہ جاہلانہ استبعاد کہ آج کل کے کم علم مفتیوں کے سدِّ راہ ہوئے اور جب یہاں تک بحمد اللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیا وجہ انکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رد کیا جائے۔ ہاں سند محدثانہ نہیں۔ پھر نہ ہو اس جگہ اسی قدر بس ہے۔ سند معنعن کی حاجت نہیں۔

''کما بیّنّاہ فی رسالتنا ھدی الحیران فی نفی الفیٔ عن سید الاکوان''۔

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ ''ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سیّد الاکوان'' میں اسے بیان کیا ہے۔(ت)

امام جلال الدین سیوطی نے ''مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء''

(بقیہ صفحہ سابقہ) ۳۹۳۔۳۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الدرر المنثور بحوالہ ابن جریر وابن حاتم وغیرہ الخ تحت الآیۃ، ج۵ ص ۱۷۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت

میں مرثیہ امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ "بابی انت و امّی یا رسول اللہ"۔۔ الخ [1] "یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ (ت) کی نسبت فرماتے ہیں:

"لم اجدہ فی شئ من کتب الحدیث الاثر (الیٰ قولہ) بالاحکام"۔ [2]

ترجمہ: میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ بابِ احکام سے تعلق نہیں۔

اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم کے علوم اسی طریقہ سندِ ظاہری "حدثنا فلان عن فلان" میں منحصر نہیں، وہاں ہزارہا ابوابِ وسیعہ و اسبابِ رفیعہ ہیں کہ اس طریقۂ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادتِ کُبریٰ ان مدارج عالیہ و معارک غالیہ تک وصول رہے اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجۂ تسلیم، نہ کہ معاذ اللہ انکار و تکذیب کہ سخت مہلکۂ ہائلہ ہے" و العیاذ باللہ ربّ العٰلمین "اور اللہ تعالیٰ کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) جیسے آج کل ایک بحرینی بے بہرہ نے رسالہ "لباب المعانی" سیاہ کر کے مصر میں چھپوایا اور صرف اس پر کہ حضرت امام عارف باللہ، ثقہ، حجت، فقیہ، محدّث، امام القراء، سیّدی ابوالحسن علی نور الملۃ والدین شطنوفی قدس سرہٗ الصافی الصوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں باسنادِ صحیحہ حضرت امام اجل سیدی احمد رفاعی قدس سرہٗ الرفیع پر حضور پر نور سید

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصّفا فی تخریج احادیث الشفاء، الفصل السابع، ج۱ ص ۲۲۰، مرکز اہل سنت برکاتِ رضا، گجرات، ہند

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصّفا فی تخریج احادیث الشفاء، الفصل السابع، ج۱ ص ۲۲۰، مرکز اہل سنت برکاتِ رضا، گجرات، ہند

الاولیاء حضرت غوث الوریٰ رضی اللہ عنہ کی تفضیل روایت فرمائی، نہ صرف اس امام جلیل و کتابِ جمیل بلکہ خاک بدہن گستاخ جناب اقدس میں کوئی دقیقۂ بے ادبی اٹھا نہ رکھا۔

''نعوذ باللہ من الخذلان و لا حول و لا قوۃ الا باللہ القادر المستعان''۔

ترجمہ: ہم ذلّت ورسوائی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں جو قدرت والا ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ (ت)

بالجملہ روایت نہ عقلاً دُور نہ شرعاً مہجور، اور کلماتِ مشائخ میں مسطور و ماثور اور کتب احادیث میں ذکر معدوم نہ کہ عدم مذکور، نہ روایتِ مشائخ اس طریقۂ سندِ ظاہری میں محصور، اور قدرتِ قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور، پھر رَدّ و انکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔

''والحمد للہ العزیز الغفور، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم''۔

ترجمہ: اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو عزّت والا بہت بخشنے والا ہے، اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کا علم خوب تام اور خوب مضبوط ہے۔ (ت)

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کلام سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ ایسے تاریخی واقعہ یا طریقت کے واقعات کے لیے سندِ محدثانہ ہونا ضروری نہیں اسی طرح یہ امر بھی واضح لفظوں میں ثابت ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے لیے واقعہ معراج میں جس مخصوص طریقے سے ذکر موجود ہے اس سے نہ تو بوئے تفضیل نکلتی ہے اور نہ ہی ہمسری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود۔ سو اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے مولود کعبہ ہونے سے نہ تو بوئے تفضیل ہے اور نہ ہی ہمسری کا وجود، اس سے آگے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ایسے واقعات کے لیے مشائخ کا ذکر کرنا ہی ''سند'' ہے کا بیان فرما رہے ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں امام سیوطی سے یہ بات نقل فرمائی۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

مسئلۂ ثالثہ

مسئلہ ۱۸

مسئولہ مولوی نور محمد صاحب کانپوری، ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع دیوان ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ۔

"ما قولکم یا علماء الملة السمحة البیضاء و مفتی الشریعة الغراء فی ھذہ:"۔

ترجمہ: آپ کا کیا ارشاد ہے اے فراخ و روشن ملت کے عالمو اور اے چمکدار شریعت کے مفتیو! اس مسئلہ میں: (ت)

* مولود غلام امام شہید، صفحہ ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ کی روحِ پاک نے حاضر ہو کر گردنِ نیاز صاحبِ لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گردنِ غوثِ اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں، اگر آج اس نعمت سے کچھ منزلت بخشے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔

* اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحبِ منازل اثنا عشریہ بھی تحفۃ القادریہ سے لکھتے ہیں۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵۸، سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا بے حرمتی ہے، تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے؟ خلاصۂ ہژدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 'اٹھارہ ہزار جہانوں کے خلاصہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ (ت) براق نے کہا کہ اے امینِ وحیِ الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جناب میں

ایک التماس ہے۔ فرمایا: بیان کرو۔ عرض کیا: آج دولتِ زیارت سے مشرف ہوں کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپ کی سواری کے واسطے آئیں گے، امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔

* صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں: وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اُونچا ہوا کہ صاحبِ معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔

پس استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستّہ وغیرہ احادیث وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن میں موجود ہے یا نہ۔

''بیان کاف و شاف بالاسانید من المعتبرات المعتقدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرا۔ بینوا توجروا''۔

ترجمہ: معتبر ومعتمد سندوں کے ساتھ کافی وشافی بیان پُوری شرح وتفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب

معراج کی رات حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا پائے اقدس کے لیے گردن پیش کرنا بوئے تفضیل وہمسری نہیں

کُتب احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری نہ کہیں اس کا تذکرہ دیکھا۔

تحفہ قادریہ شریف اعلیٰ درجہ کی مستند کتاب ہے میں اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا اور جو میری نظر سے گزرا اُن میں یہ روایات اصلاً نہیں۔

بایں ہمہ اس زمانہ کے مفتیانِ جہول، مخطیانِ غفول نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہا کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذ اللہ حضور اقدس و انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حضور پُر نور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی تفضیل نکلتی ہے یہ محض تعصب و جہالت ہے جس کا رَد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے، کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کٹھور ضلع سورت سے ایک سوال آیا تھا۔

فاضل عبد القادر قادری ابن شیخ محی الدین اربلی نے کتاب ''تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر''[1] رضی اللہ عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور اسے جامع شریعت و حقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حرز العاشقین سے نقل کیا ہے اور ایسے امور میں اتنی ہی سند بس ہے۔ اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوے میں ہے جس کا سوال ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا۔

''وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم''۔

ترجمہ: اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)[2]

مولٰی علی المرتضٰی کا مولود کعبہ ہونا مقام سے شرافت پانے کا ایک سبب تھا

اس وضاحت میں یہ اشکال بھی حل ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کعبہ میں نہ ہوئی تو اس سے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بڑھ جائے گی اور یہ شیعہ کا عقیدہ ہے تو گزارش ہے کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت در کعبہ تو باسند روایات سے ثابت تسلیم کی گئی ہے تو کیا ان کی اس وجہ سے نبی پر افضلیت اہلِ سنت کا عقیدہ ہوگا؟ اصل یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کعبہ شریف میں ہوتی تو شاید وہم پڑتا کہ آپ کو کعبہ کی وجہ سے عزت ملی جبکہ آپ کی وجہ سے کعبہ کی عزت بڑھی کیونکہ آپ کعبہ کے

---

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ، المنقبۃ الاولٰی، ص ۲۴۔۲۵، سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد

[2] فتاوٰی رضویہ، ج ۲۸ ص ۴۲۰۔۴۳۰، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

کعبہ ہیں۔ جیسا کہ مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

اسی طرح رمضان وغیرہ کسی مشہور مہینہ میں ولادت نہ ہوئی بلکہ ربیع الاول میں ہوئی تا کہ اس مہینہ کو حضور علیہ السلام سے عزت ملے۔ نیز آپ کی ولادت بیت المقدس میں نہ ہوئی کہ کوئی کہتا چونکہ وہ نبیوں کا شہر ہے اس لیے اس جگہ پیدا ہونے سے آپ کی عزت بڑھ گئی۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ کعبہ میں پیدا ہونا باعثِ عزت وعظمت ضرور ہے خواہ اتفاقاً ہو یا قدرتِ الٰہی کے کرشمہ سے۔ رہ گیا شیعہ کا عقیدہ تو وہ گمراہ کن کفر ہے۔

نماز کے لیے الفاظِ نیت بلا سند ہونے کے باوجود مستحب

یہ تو مسئلہ تاریخی واقعہ میں عدمِ سند کے حوالے سے رہا ایسی کئی ایک مثالیں تو ہمیں احکامات میں بھی ملتی ہیں تو کیا انہیں بلا سند کا لقب دے کر رد کر دیا جائے گا۔ مثلاً ہمارے فقہاء کرام نے نماز کے لیے الفاظِ نیت کو بدعتِ حسنہ اور مستحب ایسے کلمات سے بیان فرمایا ہے جبکہ اس کی کوئی سند نہیں ہے، بلکہ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ ''فتح القدیر'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''قال بعض الحفاظ لم یثبت عن رسول الله ﷺ بطریق صحیح ولا ضعیف أنه کان یقول عند الافتتاح أصلی کذا ولا عن أحد من الصحابة والتابعین بل المنقول أنه کان صلی الله تعالیٰ علیه و اٰله وسلم اذا قام الی الصلوٰة کبر وهذه بدعة''۔اھ

ترجمہ: بعض حفاظِ حدیث نے کہا کہ زبان سے نیت کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ تو بطریقِ صحیح ثابت ہیں اور نہ ہی ضعیف طریقے سے ثابت ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے آغاز پر کہتے ہوں میں اس طرح نماز ادا کرتا ہوں اور نہ ہی یہ صحابہ کرام و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہیں بلکہ یہ بات منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب

---

[1] شانِ حبیب الرحمٰن، ص ۲۸۷، مطبوعہ قادری پبلشرز، اردو بازار، لاہور

نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے، اور یہ الفاظ بدعت ہیں۔ [۱]

اور فتاویٰ شامی میں اس عبارت پر مزید یہ لکھا ہے:

”زاد فی الحلیة: ولا عن الأئمة الاربع“۔

یعنی حلیہ میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ ”ائمہ اربعہ سے بھی یہ الفاظِ نیت منقول نہیں۔ [۲]

پھر ان عبارتوں کے آگے لکھا گیا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے تا کہ دل اور زبان سے توجہ مکمل نماز کی طرف ہو جائے۔

جب ایک ایسا امر جس کا ثبوت نہ تو سول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بطریق صحیح اور نہ بطریق ضعیف نہ کسی صحابی سے نہ کسی تابعی سے اور نہ ہی ائمہ اربعہ سے منقول ہے۔ اس کے باوجود اس امر کو متاخرین مستحسن قرار دیں۔ تو کیا ایک ثابت شدہ امر اگرچہ بطریق ضعیف ہی ہو اور وہ بھی صرف واقعہ کے اعتبار سے ہو اس کی مذمت کی جائے اور ایک غیر ثابت شدہ امر کو احکام میں قیاس ورائے کے اعتبار سے مستحسن ٹھہرایا جائے یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس کے علاوہ فقہاء کرام نے کئی ایک مسائل ایسے بیان فرمائے ہیں جس میں حدیث ضعیف امر مستحب میں کارگر ثابت ہوئی۔

حدیث ضعیف پر عمل کے بارے ترغیبِ اکابرین

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کا واقعہ ایک تاریخی مسئلہ ہے جس کا احکام سے تعلق نہیں محض عقیدت سے واسطہ ہے۔ ہم تو اپنے اکابر کے عمل کو نسبت سے اس قدر محبت بھرا دیکھتے ہیں کہ احکام میں بھی حدیث ضعیف ملی تو اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی اور محض حدیث کے ضعیف ہونے سے عمل کو چھوڑ دینے اور اس کے برخلاف عمل کرنے سے روکتے اور ڈراتے تھے، چنانچہ شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

---

[۱] فتح القدیر، ج۱ص ۲۳۲، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

[۲] ردالمحتار علی الدر المختار، ج ۲ ص ۱۱۴، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

مسئلہ ۲۳۴ء

از علی گڑھ کٹرہ سعید خاں مرسلہ حافظ سعید احمد صاحب لکھنوی معرفت حافظ محمد عمر صاحب مسجد عطا شہید ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ۔

طحطاوی حاشیہ درمختار جلد رابع میں ہے:

''ورد فی بعض الآثار النھی عن قص الاظافر یوم الاربعاء فانہ یورث البرص''۔[1]

ترجمہ: بعض آثار میں بدھ کے دن ناخن کترنے کی ممانعت آئی ہے کہ اس کام سے مرضِ برص (پھلبہری) پیدا ہوتا ہے۔ (ت)

اس کی سند کیا ہے اور یہ روایت کس درجہ کی ہے، اور یہ روایت بظاہر معارض ہے روایت دیلمی کی:

''ومن قلمھا یوم الاربعاء خرج منہ الوسواس والخوف دخل فیہ الامن والشفاء''۔[2]

ترجمہ: جس نے بدھ کے روز ناخن کاٹے اس سے شیطانی وسوسے اور خوف نکل جائیں گے اور اس میں امن اور شفاء داخل ہو جائے گی۔

تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے؟ اور بدھ کے دن ناخن تراشنا کیسا ہوگا؟

درصورتِ امتناع حافظ ابن حجر کے قول:

''انہ یستحب کیف ما احتاج الیہ''۔

ترجمہ: ناخن کاٹنے مستحب ہیں جس کیفیت (اور نوعیت) سے اس کی ضرورت پڑے۔۔۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع، ج ۴ ص ۲۰۲، دار المعرفۃ، بیروت

[2] الموضوعات لابن الجوزی، ج ۳ ص ۵۳، دار الفکر، بیروت

---کی صحت کی کیا صورت، اور درصورت استحباب حافظ کے قول:

"ولم یثبت فی کیفیة شئ ولا فی تعیین یوم له عن النبی ﷺ"۔ [1]

ترجمہ: ناخن کترنے کی کیفیت (کہ کسی طریقے اور ترتیب سے کترے جائیں) اور کس دن کترے جائیں اِس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ ثابت اور مروی نہیں۔

--کی صحت کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب

اصل مسئلہ یہی ہے کہ وہ کیف ما اتفق مستحب و مسنون ہے اور دن کی تعیین یا منع میں کوئی حدیث ثابت نہیں، یوم الاربعاء ممانعت کی حدیث، دونوں ضعیف ہیں، اگر روز چہار شنبہ وجوب کا دن آجائے مثلاً انتالیس دن سے نہیں تراشے تھے آج بدھ کو چالیسواں دن ہے اگر آج بھی نہیں تراشا تو چالیس دن سے زائد ہو جائیں گے اور یہ ناجائز و مکروہ تحریمی ہے۔

"کما فی القنیة والهندیة وغیرهما"۔

ترجمہ: جیسا کہ قنیہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

تو اِس پر واجب ہوگا کہ بُدھ کے دن تراشے لیکن اگر حالت سعت و اختیار کی ہے تو بدھ کے دن نہ تراشنا مناسب کہ جانبِ خطر کو ترجیح رہتی ہے، اور حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر حدیثِ صحیح بخاری "وقد قیل" [2] اور بے شک اس بارے میں کہا گیا ہے۔(ت) اس کی مؤید ہے، امام ابن الحاج مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بُدھ کے دن ناخن تراشنے چاہے پھر خیال آیا کہ حدیث میں ممانعت آئی ہے پھر کہا: یہ سنت حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف، تراش لیے، فوراً ابتلائے برص ہو گئے، شب کو زیارتِ اقدس سے مشرف ہوئے، سرکار میں فریاد

---

[1] المقاصد الحسنہ، رقم الحدیث: ۷۷۲، ص ۳۶۲

[2] صحیح البخاری، کتاب العلم، باب الرحلة فی المسئلة النازلة، ج ۱ ص ۱۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی، فتاویٰ رضویہ، ج ۲۲ ص ۶۸۵۔۶۸۶، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ، لاہور

کی، ارشاد ہوا: کیا تمہیں حدیث نہ پہنچی تھی؟ عرض کی: حضور میں نے خیال کیا کہ یہ سنت حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف۔ ارشاد ہوا: کیا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے فرمایا ہے، پھر دستِ اقدس اُن کے بدن پر مس فرمایا کہ فوراً اچھے ہو گئے، اُٹھے تو اچھے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اجماعِ مجتہدین کو ضعفِ حدیث نقصان نہیں دیتی

اسی واسطے سید احمد طحطاوی علیہ الرحمہ "طحطاوی علی المراقی" میں پٹی پر مسح کرنے کی گفتگو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"وما ورد فی هذا الباب من الأخبار ضعيف يستأنس به و فی الحلبی ولا يضر ضعف الحديث بالنسبة الينا بعد ما أجمع عليه المجتهدون" -رحمهم الله تعالیٰ

ترجمہ: جو اس باب میں اخبار وارد ہوئیں ضعیف ہیں جس سے مانوسیت حاصل کی جاتی ہے اور "حلبی کبیر" میں ہے: ہماری طرف نسبت کرتے ہوئے حدیث کا ضعف نقصان دہ نہیں ہے۔ بعد ازاں کہ مجتہدین نے اس پر اجماع کر لیا۔[1] رحمہم اللہ تعالیٰ

اجماع مجتہدین سے حدیث ضعیف کا ضعف نقصان نہیں دیتا یہ مسئلہ تو احکام کے اعتبار سے ہے مولودِ کعبہ ہونے کا واقعہ تو ایک تاریخی مسئلہ ہے۔ جسے مستند مورخین نے نقل فرمایا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہما کے مولود کعبہ ہونے میں تناقض نہیں اور جس طرح حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں پیدائش ثابت ہے اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی پیدائش در کعبہ منقول و ثابت ہے کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کی ولادت در کعبہ دوسرے کی شان میں تنقیص و عیب پیدا نہیں کرتی۔ سو یہ کہنا بجا ہے کہ حضرت حکیم ابن حزام اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما دونوں کی ولادت کعبہ میں ثابت ہے۔ اور جب دونوں کی پیدائش ایک علیحدہ علیحدہ امر ہے تو ایک کے ثابت ہونے سے دوسرے کی نفی کیسے لازم

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، ج ۱ ص ۱۹۶، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ، کراچی

آتی ہے؟

تناقض کے لیے آٹھ اشیاء میں اتحاد ضروری ہے

جبکہ دو امروں میں تناقض کے لیے ابتدائی کتب مناطقہ میں آٹھ اشیاء میں اتحاد شرط قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ ''مرقاۃ'' میزانیہ میں فضلِ امام خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

در تناقض ہشت وحدت شرط دان وحدت موضوع و محمول و مکان
وحدت شرط و اضافت جز و کل قوت و فعل ست در آخر زمان[1]

اسی طرح ''حمد اللہ علی السلم میں ہے:

''فلا بد من اتحاد النسبة الحكمية و حصروه اى اتحاد النسبة الحكمية فى الوحدات الثمانى المشهورة وهى وحدة الموضوع ووحدة المحمول ووحدة المكان ووحدة الشرط و وحدة الاضافة و وحدة الجزء والكل ووحدة القوة والفعل و وحدة الزمان و بعضهم ادرج بعضها فى بعض، فان الفارابى اعتبر ثلث وحدات لحصول وحدة النسبة الحكمية و ادرج وحدة الشرط والجزء والكل تحت وحدة الموضوع ووحدة المكان والاضافة والقوة والفعل تحت وحدة المحمول ولا يخفى ان ادراج وحدة المكان تحت وحدة المحمول و اعتبار وحدة الزمان برأسها تحكم ولذا اقتصر البعض على وحدتين بادراج وحدة الزمان فى وحدة المحمول ايضًا''۔

ترجمہ: نسبت حکمیہ میں اتحاد ضروری ہے اور مناطقہ نے نسبت حکمیہ کا حصر مشہور آٹھ وحدتوں میں کیا اور یہ موضوع و محمول و مکان، شرط و اضافت و جزء و کل، قوت و فعل اور زمان میں اتحاد ہے۔ بعض مناطقہ نے ان آٹھ وحدتوں میں سے بعض کو بعض میں

[1] المرقاۃ، ص ۸۱، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

داخل کیا سو فارابی نے نسبتِ حکمیہ میں وحدت کے حصول کی وجہ سے تین وحدتوں کا اعتبار کیا اور شرط، جزو کل کو موضوع کے تحت داخل کیا اور مکان، اضافت اور قوت و فعل کو محمول کے تحت داخل کیا اور یہ مخفی نہ رہے کہ مکان کی وحدت کو محمول کے تحت داخل کرنا اور زمان کی وحدت کا اعتبار مستقل ماننا تحکم پسندی ہے اسی وجہ سے بعض نے دو وحدتوں پر اکتفاء کیا اور زمان کی وحدت کو بھی محمول کی وحدت میں داخل کر دیا۔ [۱]

البتہ مرقاۃ میں جو کہا گیا:

''و بعضهم قنعوا بوحدة النسبة فقط لان وحدتها مستلزمة لجميع الوحدات''۔

ترجمہ: اور بعض نے صرف وحدتِ نسبت حکمیہ پر اکتفاء کیا ہے کیونکہ نسبتِ حکمیہ کی وحدت تمام وحدتوں کو مستلزم ہے۔

اس کے تحت 'تحفہ شاہجہانیہ شرح مرقات'' میں ہے:

''و بعضے از میزانیه که منجملۂ آنها فارابی ست فقط بر وحدت نسبت حکمیه قناعت نموده اند تا اینکه سلب بر نسبتے وارد شود که بران ایجاب وار دست و وحدات ہشتگانه را اعتبار نکرده اند و حق همیں ست''۔

ترجمہ: اس قول کا قائل فارابی ہے جو صرف نسبت حکمیہ کی وحدت پر قناعت ظاہر کرتے ہیں تا کہ سلب اس نسبت پر وارد ہو جس پر ایجاب وارد ہے اور آٹھ وحدتوں کا اعتبار نہیں کرتے اور حق مذہب یہی ہے۔ [۲]

---

[۱] حمد اللہ علی السلم، ص ۱۵۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

[۲] تحفہ شاہجہانیہ، ص ۷۷، مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

یہ مفہوم حمد اللہ کی عبارت سے ٹکراتا نہیں ہے، کیونکہ دونوں عبارتوں میں نسبتِ حکمیہ میں ہی وحدت شرط رکھی گئی ہے۔ چنانچہ مولانا الٰہی بخش فیض آبادی ''حمد اللہ'' کے حاشیہ میں رقم طراز ہیں:

''قوله فان الفارابی الخ ثم قال یمکن ارجاع الشرائط کلها الی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس قدر وضاحت سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ زمان میں وحدت بھی تناقص کے لیے شرط ہے۔

اگر چہ تناقض کے لیے نسبتِ حکمیہ میں وحدت کو شرط رکھنا فارابی اور شارح مطالع کا مختار ہے۔ لیکن نسبتِ حکمیہ میں وحدت آٹھ شرائط کو دامن میں لیے ہوئے ہے۔ اور زمان میں اتحاد کافی اہمیت کا حامل ہے اسی واسطے ''حمد اللہ'' کی مذکورہ عبارت کے آخر میں بعض مناطقہ کا وحدتِ زمان کو مستقل شرط ٹھہرانا ثابت ہے۔ تاہم مختار اور حق یہی ہے کہ آٹھ وحدتوں میں سے ہر ایک مستقل شرط ہے۔ جیسا کہ مصنف محب اللہ بہاری علیہ الرحمہ کے کلام ''فلا بد من اتحاد النسبة الحكمية و حصروه ...... الخ'' سے مترشح ہوتا ہے۔ ''كذا قال المحشی''۔

جب تناقض کے لیے زمان میں اتحاد ہونا شرط ہے تو حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا عرصہ و زمان اور ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کا عرصہ و زمان اور ہے، لہٰذا ان دونوں میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ وجود تسلیم ہے اور تناقض نہیں ہے۔

پھر حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا ہوئے یہ ایک قضیہ حملیہ ہے۔ اسی طرح، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی ایک قضیہ حملیہ ہے ان دونوں قضیوں میں تناقض اور ٹکراؤ نہ ہونے کی ایک وجہ تو زمان میں اختلاف پایا جاتا ہے حالانکہ اس میں اتحاد شرط تھی اور دوسری وجہ موضوع مختلف ہے۔ حالانکہ اس میں بھی اتحاد شرط ہے۔

(بقیہ صفحہ سابقہ) شرط واحد هو وحدة النسبة الحكمية اذلو اختلف شئ من الموضوع والمحمول والزمان لما كان السلب واردًا على تلك النسبة بعينها''۔ ۱۲

ترجمہ: شارح کا قول: ''فان الفارابی .... الخ'' کے تحت ہے کہ پھر کہا تمام شرائط ایک ہی شرط کی طرف لوٹتی ہیں وہ نسبتِ حکمیہ میں وحدت ہے اس لیے کہ اگر موضوع و محمول اور زمان میں سے کوئی چیز مختلف ہو تو سلب بعینہٖ اسی نسبت پر وارد ہوگا۔

(الانتباہ لحل حمد اللہ، حاشیہ ۸، ص ۱۵۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

پھر شارح مطالع کا مختار بھی یہی ہے۔ (شرح مرقات، ص ۱۶۲، مطبوعہ شیخ الاسلام اکادمی، قصور)

حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی روایت میں الفاظِ حصر موجود نہیں

پھر حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے مولود کعبہ ہونے والی روایت میں الفاظِ حصر موجود نہیں ہیں جو ماعدا کی نفی کرتے ہوں۔ مثلاً "باب الحیض والاستحاضۃ" میں صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ عفیفہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی کہ

"ان عائشة رضی الله عنها جعلت ما سوی البیاض الخالص حیضا"

اس کے تحت صاحب عنایہ تفصیلاً گفتگو کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"فان قیل قوله علیه الصلوٰة والسلام دم الحیض أسود عبیط۔ یدل علی أن هذه الأشیاء لیست بحیض وهو أقوی من فعل عائشة فلا یجوز ترکه به۔ أجیب بانه من باب تخصیص الشئ بالذکر ولا دلالة له علی نفی ما عداه"۔

یعنی اگر اعتراض کیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمانِ عالی شان ہے کہ حیض کا خون ابتداء میں ہی سیاہ ہوتا ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ تمام رنگ حیض نہیں ہے اور یہ قول اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وضاحت کرنے والے عمل سے اقوی ہے لہٰذا قولِ رسول کو تو اس کی وجہ سے چھوڑا نہیں جائے گا۔ (پھر عمل اس کے خلاف کیوں ہے؟)

اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ شئ کو ذکر کے ساتھ خاص کرنے کے باب سے ہے اور اس میں ماعدا کی نفی پر کوئی دلالت نہیں۔ (سو قولِ رسول میں ایک قسم کے خون کا اختصاص کے ساتھ ذکر ہے جس میں بقیہ خون کے رنگوں کی نفی نہیں۔ جبکہ اُم المومنین کا وضاحت کرنے والا عمل دیگر رنگ کے خون کے حوالے سے ہے)۔[1]

لہٰذا ایک کا خصوصیت کے ساتھ ذکر ماعدا کی نفی نہیں کرتا اور ایک کے بارے ولادت کی حدیث دوسرے کی ولادت کی حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ اسی بات کو ہم نے اپنی تمہید کی پانچویں شق میں بیان کیا۔

---

[1] عنایہ علی ھامش فتح القدیر، ج ۱ ص ۱۶۷، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کا تدریب الراوی میں تلخیص مستدرک کی ثقاہت پر جاندار تبصرہ

اب جو روایتِ مستدرک بیان کی گئی اس بارے کچھ گزارشات ہیں تاکہ ذکر کردہ روایت کے بارے حقیقتِ حال سامنے آجائے۔

''مستدرک'' کی فنی حیثیت اور امام حاکم کا عند المحدثین مقام کیا ہے؟

''تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی'' میں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ ''مستدرک'' کے بارے وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''(و اعتنی) الحافظ ابوعبداللہ (الحاکم) فی المستدرك (بضبط الزائد علیھما) مما ھو علی شرطھما أو شرط احدھما أو صحیح و ان لم یُوجد شرط احدھما معبرا عن الاول بقوله: ھذا حدیث صحیح [علی شرط الشیخین، أو علی شرط البخاری أو مسلم، و عن الثانی بقوله: ھذا حدیث صحیح] الاسناد و ربما أورد فیه ما ھو فی الصحیحین أو احدھما سھوًا و ربما أوردفیه ما لم یصحّ عندہ منبھا علیٰ ذلك (وھو متساھل) فی التصحیح''۔

''قال المصنف فی شرح المھذب: اتفق الحفاظ علی ان تلمیذہ البیھقی أشدّ تحریامنه''۔

''و قد لخص الذھبی مستدرکه و تعقّب کثیرًا منه بالضعف والنکارۃ و جمع جزًا فیه الاحادیث التی فیه وھی موضوعة فذکر نحو مائة حدیث''۔

''و قال ابوسعید المالینی، طالعت المستدرك الذی صنفه الحاکم من اوّله الی اٰخرہ، فلم أر فیه حدیثًا علی شرطھما، قال الذھبی: و ھذا اسراف و غلو من المالینی، و الافقیه جملة وافرۃ علی شرطھما و

جملة كثيرة على شرط احدهما لعلَّ مجموع ذلك نحو نصف الكتاب و فيه نحو الربع مما صحّ بسنده و فيه بعض الشئ أو له علة، وما بقی وهو نحو الربع فهو منا كير و واهيات لا تصح و فی بعض ذلك موضوعات"۔

"قال شيخ الاسلام: و انما وقع للحاكم التساهل، لانه سود الكتاب لينقحه، فاعجلته المنية"۔

"قال: و قد وجدت فی قريب نصف الجزء الثانی من تجزئة ستة من المستدرك: الی هنا انتهی املاء الحاكم"۔

"قال: وما عدا ذلك من الكتاب لا يؤخذ عنه الا بطريق الاجازة فمن اكبر اصحابه و اكثر الناس له ملازمة البيهقیؒ، وهو اذا ساق عنه من غير المملی شيئاً لا يذكره الا بالاجازة"۔

"قال: والتساهل فی القدر المملی قليل جدًا بالنسبة الی ما بعده۔ (فما صححه ولم نجد فيه لغيره من المعتمدين تصحيحًا ولا تضعيفا حكمنا بانه حسن، الا ان يظهر فيه علة توجب ضعفه)"۔

"قال البدر ابن جماعة: والصواب انه يُتتبّع و يحكم عليه بما يليق بحاله من الحسن أو الصحة أو الضعف"۔

یعنی حافظ ابو عبداللہ حاکم مستدرک میں بخاری و مسلم پر ضبط زائد کے ساتھ متوجہ ہوئے ہیں۔ اس سے زائد جو صحیحین کی شرط یا ان دونوں میں سے ایک کی شرط پر ہے یا وہ صحیح ہے اگرچہ ان دونوں میں سے ایک کی شرط نہیں پائی گئی۔ پہلے کو یوں تعبیر کرتے ہیں: "هذا حديث صحيح على شرط الشيخين" یا "حديث صحيح على شرط البخاری" یا "حديث صحيح على شرط مسلم" اور دوسرے کو یوں تعبیر کرتے ہیں: "هذا حديث صحيح الاسناد" اور کبھی مستدرک میں سہواً وہی وارد کر دیا جاتا ہے جو صحیحین یا بخاری و مسلم سے کسی ایک میں موجود ہوتا ہے اور کبھی اس میں وہ روایت داخل کر دی جاتی ہے جو امام حاکم کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی اس کی وجہ روایت کی عدم صحت

پر تنبیہ کرنا ہوتا ہے۔

اور امام حاکم تصحیح کرنے میں متساھل ہیں۔

امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح المھذب میں فرمایا: حفاظ نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ امام حاکم کے شاگرد امام بیہقی علیہما الرحمہ ان سے زیادہ تحری اور تحقیق کرنے والے تھے۔

اور تحقیق امام ذہبی علیہ الرحمہ نے مستدرکِ حاکم کی تلخیص کی اور مستدرک کے بہت سے مقامات کا ضعف و نکارت کے ساتھ تعاقب کیا ہے اور ایک ایسا جزء جمع کیا جس میں مستدرک کے اندر پائی جانے والی موضوع روایات ہیں۔ امام ذہبی نے ایسی تقریباً سو روایات کا ذکر فرمایا ہے۔

اور ابو سعید مالینی نے کہا: میں نے امام کی مستدرک کا شروع سے آخر تک مطالعہ کیا میں نے اس میں کوئی حدیث بھی شیخین کی شرط پر نہیں دیکھی۔

امام ذہبی نے ابوسعید مالینی کے قول پر جرح کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مالینی کا اسراف اور غلو ہے وگرنہ اس میں شیخین کی شرط پر وافر جملے ہیں اور شیخین میں سے کسی ایک کی شرط پر کثیر جملے ہیں۔ شاید اس طریقے کا مجموعہ نصف کتاب کے قریب ہو اور اس میں ربع کے قریب وہ روایات ہیں جو اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ہیں اور بعض میں کچھ ضعف ہے یا اس کے لیے علت قادحہ موجود ہے اور جو باقی ہے وہ بھی تقریباً رُبع کے قریب ہے اس میں منکر اور واھی غیر صحیح روایات ہیں اور اس بعض میں موضوعات ہیں۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ جو امام حاکم سے تساھل واقع ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کا مسودہ تیار کر لیا تا کہ اس کی کانٹ چھانٹ کریں لیکن موت نے اس کا موقعہ نہ دیا۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ''میں نے مستدرک کے چھ اجزاء میں سے جزء ثانی کے نصف کے قریب یہ عبارت لکھی ہوئی پائی: ''اِلیٰ ھنا انتھی املاء الحاکم'' (اس جگہ تک حاکم کی املاء ختم ہو جاتی ہے)۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ اور جو اس کے علاوہ ہے اس کو اجازۃ کے طریق کے بغیر نہ لیا جائے، سو امام حاکم کے بڑے شاگردوں اور لوگوں میں سے زیادہ پاس رہنے والے امام بیہقی ہیں اور امام بیہقی جب غیر املاء شدہ سے حدیث چلاتے تو اس کو اجازت کے بغیر ذکر نہ کرتے۔ اور آپ فرماتے ہیں: املاء شدہ میں تساھل مابعد کی بنسبت تھوڑا ہے۔

لہٰذا امام حاکم جس کی تصحیح فرمائیں اور ہم اس بارے کسی معتمد علیہ شخصیت سے تصحیح پائیں نہ تضعیف پائیں تو ہم اس پر ''حسن'' ہونے کا حکم لگائیں گے مگر یہ ہے کہ اس میں ایسی علت ظاہر ہو جائے جو اس کے ضعف کا باعث بنے۔

علامہ بدر ابن جماعۃ نے فرمایا: درست یہ ہے کہ اس روایت کی تحقیق کی جائے گی اور حسن، صحیح یا ضعیف ہونے کی حالت کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اس سے ذرا آگے فرماتے ہیں:

''و قوله: فما صححه احتراز مما خرَّجه فی الکتاب و لم یصرح بتصحیحه فلا یعتمد علیه''۔

یعنی مصنف کا قول ''فما صححه'' میں اس روایت سے احتراز ہو گیا جس کی کتاب (مستدرک) میں تخریج ہوئی ہو لیکن اس کی تصحیح کی صراحت نہ کی گئی تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے گا۔ [1]

خلاصۂ کلام یہ سامنے آیا کہ امام حاکم کی مستدرک کانٹ چھانٹ نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ اصلاح ہے، اسی واسطے حافظ ذہبی علیہ الرحمہ نے ''تلخیص مستدرک'' رقم فرمائی اور اس میں آپ کا انداز یہ ہے کہ من گھڑت، منکر و واھی روایات کا تعاقب کر کے اسے بیان کرنا یہ حافظ ذہبی کی ذمہ داری ہے۔

امام حاکم کے سب سے لائق اور آپ کے پاس زیادہ رہنے والے شاگرد بھی املاء شدہ کے علاوہ روایت آپ کی اجازت سے بیان کرتے تھے۔ امام حاکم جس روایت کی

---

[1] تدریب الراوی، الجزء الاول، ص ۱۴۳-۱۴۶، ویلیہ المختصر الحاوی لطارق عوض اللہ، مطبوعہ دار العاصمۃ للنشر والتوزیع، الریاض

تصحیح نہ فرمائیں بلکہ صرف تخریج فرمائیں تو وہ قابلِ اعتماد نہیں اور جس روایت کی تصحیح فرمائیں تو ابن جماعۃ کے قول کے مطابق اس روایت کی صحت وضعف اور حسن کے اعتبار سے تحقیق کی جائے گی۔

اب ہم نے غور کیا کہ اس تحقیقی گفتگو کا گزشتہ حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت در کعبہ کے بارے امام حاکم نے روایت پیش کی جس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے آپ نے تواتر اخبار کا دعویٰ فرمایا ہے۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ امام ذہبی علیہ الرحمہ نے اس روایت کی تلخیص کرتے ہوئے تواترِ اخبار کا قول اسی طرح فرما دیا۔ جبکہ ہم ابھی ابھی علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی وضاحت سے مستفیض ہو رہے تھے کہ "و قد لخص الذھبی مستدرکہ و تعقب کثیرًا منه بالضعف والنکارۃ...... الخ"۔

یعنی امام ذہبی نے مستدرکِ حاکم کی تلخیص کی اور مستدرک کے بہت زیادہ مقامات کا ضعف و نکارت کے ساتھ تعاقب فرمایا اور علیحدہ موضوع احادیث پر ایک جزء بھی جمع کیا۔

یہی رحمۃ الامۃ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کے بارگاہ مصطفیٰ علی الصلوٰۃ والسلام میں مقبول ترین چھ رسائل ہیں جن میں ایمانِ والدین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رضی اللہ عنہما کے اثبات پر تحقیق انیق فرمائی، اس کے پہلے رسالہ "مسالک الحنفاء فی والدی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" میں رقمطراز ہیں:

"وأما حديث: أمي مع أمكما فأخرجه الحاكم في مستدركه وقال صحيح و شأن ((المستدرك)) في تساهله في التصحيح معروف وقد تقرر في علوم الحديث أنه لا يقبل تفرده بالصحيح"۔

"ثم إن الذهبي في "مختصر المستدرك" لما أورد هذا الحديث ونقل قول الحاكم: صحيح، قال عقبة قلت: لا والله! فعثمان بن عمير

ضعفه الدارقطنی فبین الذهبی ضعف الحدیث و حلف علیه یمیناً شرعیاً"۔

البتہ "امی مع امکما" والی حدیث کو امام حاکم نے مستدرک میں بیان کیا اور کہا: یہ "صحیح" ہے اور مستدرک کی حالت تصحیح حدیث میں تساہل کرنے کے اندر معروف ہے اور "علوم حدیث" میں یہ بات طے شدہ ہے کہ "صحتِ حدیث میں حاکم کا تفرد قبول نہیں کیا جائے گا۔" پھر بے شک امام ذہبی نے "مختصر المستدرک" میں جب اس حدیث کو وارد کیا اور حاکم کا قول "صحیح" نقل کیا تو اس کے بعد آپ نے فرمایا: "میں کہتا ہوں: اللہ کی قسم! یہ درست نہیں کیونکہ عثمان ابن عمیر کو امام دارقطنی نے ضعیف قرار دیا ہے"۔ سو امام ذہبی نے ضعفِ حدیث کو بیان کیا اور اس پر شرعی قسم اٹھائی ہے۔ [۱]

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ اپنے تیسرے رسالہ "الدرج المنیفة فی الأباء الشریفة" میں زمانۂ فترت میں فوت ہونے والے حضرات کے بارے احادیث ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر محققانہ گفتگو کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"وحدیث رابع أخرجه الحاکم فی مستدرکه من حدیث ثوبان رضی الله تعالیٰ عنه وقال: صحیح علی شرط الشیخین وأقره الذهبی رحمهم الله تعالیٰ"۔

ترجمہ: اور چوتھی حدیث کو امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی اور کہا: یہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام ذہبی نے اس فیصلہ کو ثابت رکھا، اللہ تعالیٰ ان سب پر رحم فرمائے۔ [۲]

سو روایت مستدرک کا سارا وزن اب امام ذہبی علیہ الرحمہ کے کندھوں پر آ پڑا اگر آپ اس پر جرح فرماتے ہیں تو روایت مجروح بھی ہوگی اور مرجوح بھی لیکن ہم نے

---

[۱] مسالک الحنفاء فی والدی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۱۸۱۔ ۱۸۲، مطبوعہ حجاز پبلی کیشنز، لاہور

[۲] الدرج المنیفة فی الآباء الشریفة، ص ۴۷، مطبوعہ حجاز پبلی کیشنز، لاہور

ملاحظہ کیا کہ امام ذہبی علیہ الرحمہ اس روایت پر جرح نہیں فرما رہے بلکہ اسی طرح "تواترت الاخبار" فرما کر بات کو ثابت کر رہے ہیں۔ اب فیصلہ کن امر سامنے یہ آیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت در کعبہ روایتِ تلخیص مستدرک کے مطابق درست ہے۔

کسی بھی مصنف، شارح اور تلخیص کرنے والے پر ایک بات ہر جگہ لکھنی ضروری نہیں

اسی مقام پر ایک بات سمجھ لی جائے کسی بھی مصنف، شارح و ملخص کے لیے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جو بات ایک کتاب میں لکھی ہے وہی بات اسی کتاب سے متعلق فن کی دوسری کتاب میں بھی درج کرے، اور اس کی بیسیوں مثالیں درس نظامی کی کتب میں موجود ہیں۔ لہٰذا امام ذہبی علیہ الرحمہ کا اس روایت کو اپنی تاریخ وسیر کی دوسری کتب میں بیان نہ کرنے سے بیان شدہ کی نفی لازم نہیں آتی کیونکہ مقامِ بیان میں سکوت بھی بیان ہوتا ہے۔

مستدرک للحاکم پر اعتماد تلخیص ذہبی کی وجہ سے ہوگا

اس کی مزید وضاحت اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

سابعًا طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقۂ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح وحسان ہیں بلکہ اس میں صدہا حدیثیں برشرطِ بخاری ومسلم صحیح ہیں قطع نظر اس سے کہ تصانیف شاہ صاحب میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین میں تو مستدرک سے تودہ تودہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور ہیں: "کما لا یخفی علی من طالعھما"۔ لطیف تر یہ ہے کہ خود ہی بستان المحدثین میں امام الشان ابو عبداللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

"انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار بر شرط ایں ہر دو

بزرگ یافتہ میشود یا بشرط یکے ازینہا بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصف کتاب ازیں قبیل باشد و بقدر ربع کتاب ازآں جنس ست کہ بظاہر اسناد او صحیح است لیکن بشرط ایں ہر دو نیست و بقدر ربع باقی واہیات و مناکیر بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست چنانچہ من در اختصار آں کتاب کہ مشہور بتلخیص ذہبی است خبردار کردہ ام"۔

انتہی

ترجمہ: انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں بزرگوں (بخاری و مسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریباً نصف کتاب اس قبیل سے ہے اور تقریباً اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ بظاہر ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان (بخاری و مسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں اس لیے میں نے اس کے خلاصہ جو کہ تلخیصِ ذہبی سے مشہور ہے میں اس بارے خبردار کیا ہے۔ انتہی

تنبیہ: بحمداللہ ان بیانات سے واضح ہو گیا کہ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنیٰ اس قدر ہیں کہ جن احادیث کے ایراد سے انہوں نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرد عدم ذکر کو اس معنی پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ورنہ افراد بخاری متروکات مسلم ہوں اور افراد مسلم متروکات بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کہ تصانیف سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے، مصنفین میں کسی کو دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں۔ صحیح بخاری میں کل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔ "کما بینہ شیخ الاسلام فی فتح الباری شرح صحیح البخاری"۔

(یہاں تک اعلیٰ حضرت کے کلام سے ایک تو کتاب مستدرک کی قدرے ثقاہت معلوم ہوئی۔ دوسرا یہ بیان فرمایا کہ ایک روایت کسی ایک کتاب میں آئے اور دوسری کتاب میں وہ روایت درج نہ ہو تو اسے ناقص سمجھ کر ترک کرنا نہیں ہوتا بلکہ ایسی روایت

قابلِ اعتناء ہوتی ہے۔ سو امام ذہبی جیسی شخصیت تلخیصِ مستدرک میں ایک روایت کو بیان کریں اور اپنی دیگر تصانیف میں نہ بیان کریں تو اسے ناقص سمجھ کر چھوڑنا نہیں سمجھا جائے گا۔ تامل ۱۲ مرتضائی غفرلہٗ)

ثامناً شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کر کے فرماتے ہیں: ''ولہذا علمائے حدیث قرارداده اند که برمستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر بعد از دیدن تلخیص ذہبی''۔ (اسی لیے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کر دیا ہے کہ مستدرکِ حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا)۔

اور اس سے پہلے لکھا ہے:

''ذہبی گفته است که حلال نیست کسے را که بر تصحیح حاکم غره شود تا وقتیکه تعقبات و تلخیصات مرا نه بیند و نیز گفته است احادیث بسیار در مستدرک برشرط صحت نیست بلکه بعضے از احادیث موضوعه نیزست که تمام مستدرک بآنها معیوب گشته''۔

امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح پر کوئی کفایت نہ کرے۔ تاوقتیکہ اس پر میری تعقبات و تلخیصات کا مطالعہ نہ کرے اور یہ بھی کہا ہے کہ بہت سی احادیث مستدرک میں شرطِ صحت پر موجود نہیں بلکہ بعض اس میں موضوعات بھی ہیں جس کی وجہ سے تمام مستدرک معیوب ہوگئی ہے۔ [1]

امام حاکم علیہ الرحمہ کا عقیدہ

اب ہم امام حاکم علیہ الرحمہ کے متعلق اختصاراً احوال معلوم کرتے ہیں۔

امام حاکم کے بارے محدثین کرام عقیدہ کے مسئلہ کو بہت زیادہ اٹھاتے ہیں، چنانچہ میزان الاعتدال میں حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''محمد بن عبداللہ الضبی النیسابوری، الحاکم ابو عبد اللہ

---

[1] بستان المحدثین (اردو)، ص ۷۰، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، بستان المحدثین (عربی)، ص ۱۰۴، صحیح الحاکم، مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۵۴۵، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور

الحافظ، صاحب التصانیف، امام صدوق لکنه یصحح فی مستدرکه احادیث ساقطة و یکثر من ذٰلك فما ادری هل خفیت علیه فما هو ممن یجهل ذلك و ان علم فهذه خیانة عظیمة ثم هو شیعی مشهور بذلك من غیر تعرض للشیخین و قد قال ابن طاهر: سالت ابا اسماعیل عبدالله الانصاری عن الحاکم ابی عبدالله فقال: امام فی الحدیث رافضی خبیث قلت الله یحب الانصاف ما الرجل برافضی بل شیعی فقط"۔

ترجمہ: یعنی امام حاکم علیہ الرحمہ کئی ایک کتب کو تصنیف فرمانے والے، امام صدوق تھے لیکن انہوں نے مستدرک میں ساقط احادیث کی بھی تصحیح کر دی اور ایسا کثرت سے کیا ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ احادیث ان پر مخفی رہیں جس کی وجہ سے وہ ان احادیث کے بارے نہ جاننے والوں میں ہو گئے اور اگر آپ نے جانتے ہوئے ایسا کیا ہے تو یہ عظیم خیانت ہے۔ پھر امام حاکم شیعہ مشہور ہیں لیکن اس کے باوجود شیخین کریمین (حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کے درپے نہیں ہوتے۔

اور ابن طاہر نے کہا کہ میں نے ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری سے امام حاکم کے متعلق پوچھا تو وہ کہنے لگے: حدیث کا امام اور خبیث رافضی تھا، لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انصاف کو پسند فرماتا ہے امام حاکم رافضی نہ تھے بلکہ فقط شیعی [1] تھے۔

حافظ ذہبی نے تواتر اخبار کا دعویٰ مولود کعبہ میں رد نہیں کیا جبکہ دوسرے مقام پر رد کیا۔

حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

---

[1] خیال رہے کہ شیعی اور شیعہ میں فرق ہے شیعہ کا اطلاق رافضیوں اسماعیلیوں اور اسی طرح اس فرقے کی دیگر شاخوں پر ہوتا ہے جبکہ شیعی محدثین کے نزدیک ایک اصطلاح ہے جسے بول کر وہ ایسا طبقہ مراد لیتے ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جناب عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔

”ومن شقا شقه قوله: اجمعت الامة ان الضبی کذاب وقوله: ان المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه واٰله وسلم ولد مسرورًا مختونا قد تواتر هذا وقوله: ان علیا وصی. فاما صدقه فی نفسه ومعرفته بهذا الشان فأمر مُجمع علیه“۔

یعنی امام حاکم کے چند سنگین اقوال یہ ہیں:

* امت نے اجماع کیا ہے کہ ضبی کذاب ہے۔
* بے شک مصطفٰی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسکراتے ہوئے اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے اور یہ تواتر سے ثابت ہے۔
* بے شک حضرت علی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصی ہیں۔
* رہ گیا امام حاکم کا اپنی ذات کے اعتبار سے سچا ہونا اوران کی اس سچائی کی شان کے ساتھ پہچان تو وہ مجمع علیہ امر ہے۔[1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام حاکم رافضی نہیں شیعی تھے اور دوسرا اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام حاکم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے مسرور ومختون کے بارے تواتر کا دعویٰ کیا لیکن امام ذہبی نے اسے رد کر دیا کہ تواتر کا دعویٰ اس بارے درست نہیں ہے۔ اور اسی طرح آپ نے مستدرک کی تلخیص میں بھی یہی فرمایا۔ لہٰذا ایسا ہی ہم ”مولودِ کعبہ“ کے روایت کے متعلق کہیں گے کہ وہاں تواتر اخبار کا دعویٰ تو امام حاکم کا ملتا ہے لیکن تلخیصِ ذہبی میں اس کا رد نہیں ملتا۔ امام حاکم علیہ الرحمہ کے ساتھ حافظ ذہبی کا بعض ناصواب مقام میں موافقت پر مقام میں موافقت کے مجروح ہونے کی دلیل نہیں۔

یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ اگر بالفرض حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض ناصواب مقامات میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے تو اس سے ہر مقام میں ناصواب پر اتفاق کرنا دلالت نہیں کرتا۔ پھر بعض غلط اور ناصواب مقامات میں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت

---

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج ۳ ص ۶۰۸، رقم الحدیث: ۷۸۰۴، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، لبنان

پر کیا دلیل ہے؟ آیا کسی قابلِ اعتماد محدث نے اسے بیان کیا ہے؟ اگر کیا ہے تو کیا اس نے تلخیصِ ذہبی میں مولودِ کعبہ والی روایت پر بھی جرح کی ہے؟ اگر جرح کی ہے تو وہ کس درجہ کی جرح ہے؟ قابلِ اعتناء ہے یا نہیں؟ اور اگر جارحین نے جرح نہیں کی تو معلوم ہوا کہ بقیہ غلط مقامات میں موافقت کو انہوں نے بیان کر دیا اور اسے بیان نہ کیا جبکہ مقامِ بیان میں سکوت بیان ہونے کا اصول مسلم ہے۔ کما فی حاشیة الھدایة و شرح التھذیب للکھنوی

شیعی اور رافضی میں فرق

خیال رہے کہ شیعی اور رافضی ہونے میں بڑا فرق ہے متقدمین کی اصطلاح کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے والے کو ''تشیع'' کہتے تھے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل ماننے والے کو غالی شیعہ جس کو رافضی بھی کہتے ہیں اور اگر وہ شیخین کو سب و شتم بھی کرے یا ان سے بغض رکھے تو وہ غالی رافضی ہے۔ [۱]

امام حاکم کو شیعی ماننا ان کی شخصیت و روایت میں فرق نہیں ڈالتا

امام حاکم پر شیعی ہونے کا الزام ہے یعنی آپ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فضیلت دینے کا الزام ہے۔ اگر یہ بات درست تسلیم کر لی جائے تو ایسے عقیدہ کی روایت بعض احناف اور صحابی رسول حضرت ابو طفیل سے بھی مروی ہے۔ [۲]

معلوم ہوا ''شیعی محض'' کسی شخصیت کو عندالمحدثین مجروح نہیں کرتا، ورنہ امام عبدالرزاق اور امام نسائی کی شخصیت مجروح ہو جاتی کیونکہ ان پر بھی شیعہ ہونے کا الزام تھا۔ [۳]

---

[۱] وفیات الاعیان، ج ۱ ص ۳۶۵، تہذیب التہذیب، ج ۱ ص ۹۷، تذکرۃ المحدثین، ص ۲۸۰۔ ۲۸۲، ذکر امام نسائی، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور

[۲] شرح فقہ اکبر للملا علی قاری علیہ الرحمہ، ص ۶۳۔ ۶۴، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی

[۳] بستان المحدثین، ص ۱۰۹، ۸۷، مطبوعہ دار الغرب الاسلامی

اور اگر شیعی سے مراد بدعتی مانا بھی جائے تو بدعتی کی روایت کو قبول کرنے کے بارے صراحتِ قول موجود ہیں کہ شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کی روایت قبول ہوگی۔ [1]

امام حاکم علیہ الرحمہ سنی اشعری شافعی تھے

سوالات مسعود بن علی السجزی (للامام الحافظ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری، المتوفی ۴۰۵ھ) پر دراسة و تحقیق کرتے ہوئے محقق ڈاکٹر موفق بن عبداللہ بن عبدالقادر نے اس کتاب کے مقدمہ میں صفحہ: ۱۲ سے ۲۳ تک۔

امام حاکم کے عقیدہ کے مسئلہ کو خوب واضح کیا اور تحقیق کے بعد نتیجہ یہ نکالا کہ امام حاکم اشعری العقیدہ تھے، محمد بن طاہر مقدسی (جو کہ خود مجروح ہے۔) دیکھئے: [2]

اور اس جیسے دیگر افراد جنہوں نے تعصب کی بنا پر امام حاکم علیہ الرحمہ کو شیعہ لکھ دیا ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور جس بنا پر آپ کو شیعہ کہا گیا ہے اس اعتبار سے کئی اور بزرگوں کو بھی شیعہ کہنا پڑے گا۔ [3]

عقيدة الحاكم واتّهامه بالتّشيّع والرّفض:

اُتّهم الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ بالتّشيّع لعليٍّ رضيَ الله عنهُ، كما اُتّهمَ رحمهُ الله بالرّفضِ، ولا شكّ أنّ تُهماً مثل هذه تحتاجُ إلىٰ العناية في البحث والدِّقّةِ قبل تكذيبها أو تصديقها.

قال الخطيب البغدادي: «وكانَ ابنُ البيّع يميل إلىٰ التّشيّع، فحدّثني أبو إسحاق إبراهيم بن مُحمّد الأُرْمَوي بنَيْسابور ـ وكان شيخاً صالحاً فاضلاً عالِماً ـ قال: جمع الحاكمُ أبو عبدالله أحاديثَ زَعم أنّها علىٰ شرطِ البُخاريِّ ومُسْلِمٍ يلزمهما إخراجها في صَحيحيهما، منها حديثُ الطير «وَمَنْ كنتُ مَوْلاهُ فَعليّ مولاه»، فأنْكرَ عليهِ أصحابُ الحديثِ ذلكَ ولم يلتفتُوا فيه إلىٰ

---

[1] کتاب الموضوعات لابن جوزی، المقدمہ، الباب الاول، الفصل الثالث، ص ۷۱۔۷۲، مطبوعہ اضواء السلف، مکتبہ التدمریۃ، میزان الاعتدال فی معرفۃ الرجال بہ تحقیق علی محمد البجاوی، ج ۱ ص ۵۔ ۶، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان

[2] میزان الاعتدال، ج ۳ ص ۵۸۷، مطبوعہ دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان

[3] سوالات مسعود بن علی السجزی، ص ۱۲۔ ۲۲، مطبوعہ دارالغرب الاسلامی

قولِهِ، ولا صَوَّبوهُ في فِعْلِهِ»[1] كما نقل الذَّهبيُّ رَحمهُ الله تعالىٰ عن مُحمَّد بْنِ طاهر المقدسي: «أَنَّهُ سألَ أبا إسماعيل عَبْدَالله بْنَ مُحمَّد الهَرَويَّ، عن أبي عَبْدِالله الحاكم؟ فقال: ثِقَةٌ في الحديثِ رافضيٌّ خَبيثٌ»[2].

«قال ابنُ طاهر: كانَ شديدَ التَّعصُّب للشِّيعةِ في الباطنِ، وكان يُظْهِرُ التَّسنُّنَ في التَّقديمِ والخِلافَةِ، وكان مُنْحَرِفاً غالياً عَن مُعاوية رضي الله عنهُ وعن أهلِ بيتِهِ[3]، يتظاهَرُ بذلكَ، ولا يعتذِرُ منهُ، فَسَمِعْتُ أبا الفتح سمكويه بهَراة، سمعتُ عَبْدَ الواحد المَليحي، سَمِعْتُ أبا عَبْدَ الرَّحمٰن السُّلمي يقول: دخلتُ علىٰ الحاكم وهو في دارِهِ، لا يُمْكِنُهُ الخروجُ إلىٰ المسجِدِ مِنْ أصحابِ أبي عبدالله بن كَرَّام، وذلك أَنَّهُم كسروا مِنْبَرهُ، ومنعوهُ مِنَ

(1) تاريخ بغداد: ٥/٤٧٤.

(2) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٧٤.

(3) نَعَم رضي الله عن مُعاوية... ولكن إطلاق التَّرضي علىٰ أهل بيته هكذا فيه الكثير مِنَ المجازَفةِ فقد قال الذَّهبي رحمهُ الله تعالىٰ في «يزيد بن مُعاوية» «ويزيد مِمَّن لا نسبُّهُ ولا نُحبُّهُ» سير أعلام النبلاء: ٤/٣٦ وقال الحافظ ابن حجر في التقريب: ٢/٣٧١ «وليس بأهل أن يروىٰ عنهُ» فإذا كان ابن طاهر رحمه الله تعالىٰ يُفَكِّرُ بهذه العقلية فلا عجب منه أن يتّهم الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ بالتَّعصُّب للشِّيعة، فتأمَّل.

١٢

الخروج، فقلتُ لهُ: لو خَرَجتَ وأمليتَ في فضائِلِ هذا الرَّجل حديثاً، لاسترحتَ مِنَ المحنةِ، فقال: لا يجيءُ مِنْ قلبي، لا يجيءُ مِنْ قلبي»[1].

وقد دافعَ الذَّهبيُّ رحمهُ الله تعالىٰ عن الحاكم، وردَّ علىٰ مَن اتَّهمهُ بالرَّفضِ فقال: «قلتُ: كلَّا ليسَ هو رافضياً، بلىٰ يتشيَّع»[2].

وقال أيضاً: «قلتُ: أمَّا انحرافهُ عن خُصومِ عليٍّ فظاهر، وأمَّا أمرُ الشَّيخَيْن فَمُعَظِّمٌ لهما بِكُلِّ حالٍ، فهو شيعيٌّ لا رافضيّ»[3].

وقال أيضاً: «قلتُ: الله يُحبُّ الإنصاف، ما الرَّجل برافضيّ، بل شيعيّ فقط»[4].

وقال أيضاً: «هو شيعيّ مشهورٌ بذلك مِن غيرِ تعرّض للشَّيخين»[5].

وقال: «فأمَّا صِدْقهُ في نَفْسِهِ وَمعرفتُه بهذا الشَّأنِ فأمرٌ مُجْمَعٌ عليه»[6].

وقال السَّمعاني: «وكانَ فيه تشيّع»[7].

والذي يظهر لنا أنَّ إخراج الحاكم لحديث الطَّير[٨] في «المستدرك» إنَّما

(١) المنتظم: ٥٧/٧، سير أعلام النبلاء: (١٧/١٧٤ ـ ١٧٥)، وهذه الرِّواية لا يوجد فيها أي دليل علىٰ «تشيّع» الحاكم بل دليل علىٰ رفضه أن يُملي في فضائل ابن كرَّام المبتدع فتأمَّل...

(٢) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٧٤.

(٣) تذكرة الحفاظ: ٣/١٠٤٥.

(٤) ميزان الاعتدال: ٣/٦٠٨.

(٥) ميزان الاعتدال: ٣/٦٠٨.

(٦) ميزان الاعتدال: ٣/٦٠٨.

(٧) الأنساب: ٢/٣٧١.

(٨) أخرج الحاكم بسنده في المستدرك (٣/١٣٠ ـ ١٣١) عن أنس رضي الله عنه (كنتُ أخدمُ رَسولَ الله ﷺ فَقُدِّمَ لَهُ فرخٌ مشوي فقال: «اللّهُمَّ ائتني بأحبِّ خَلْقِكَ إليك يأكُلُ معي مِن هذا الطَّير، فقُلتُ: اللّهُمَّ اجعلهُ رجُلاً مِنَ الأنصار، فجاءَ عليٌّ. فقُلتُ: إنَّ رسولَ الله ﷺ علىٰ حاجةٍ... الحديث») قال الحاكمُ: هذا حديثٌ صحيحٌ =

هو لاجتهادٍ منهُ، فقد نقل الذَّهبيُّ بسندهِ عن أبي عَبْدِ الرَّحمٰن الشَّاذياخي قوله: «كُنَّا في مجلس السَّيِّد أبي الحسن، فَسُئِلَ الحاكمُ عن حديث الطَّيْرِ؟ فقالَ: لا يصحُّ، ولو صَحَّ لما كانَ أحدٌ أفضلَ مِنْ عليٍّ بعد النَّبيِّ ﷺ»[١].

قال الذَّهبي: «فهذهِ حكايةٌ قويةٌ، فما بالُه أخرجَ حديث الطَّير في «المستَدْرَك»؟ فكأنَّهُ اختلف اجتهادُهُ، وقد جَمَعْتُ طُرُقَ حديث الطَّيْر في جُزءٍ، وطرق حديث: «مَنْ كُنْتُ مولاهُ»[٢] وهو أصحُّ»[٣].

وقال أيضاً: (وأما حديث الطَّيْر فلهُ طُرُق كثيرة جدًّاً قد أفردتها بمُصَنَّف ومجموعها يوجب أن يكونَ الحديث لَهُ أصْلٌ، وأمَّا حديث «مَنْ كُنتَ مَوْلاهُ» فله طرقٌ جَيِّدَة، وقد أفردتُ ذلك أيضاً)[٤].

وقد دافَع السُّبكيُّ في «طبقات الشَّافعية الكبرىٰ» عن الحاكم، وردَّ علىٰ مَنْ اتهمهُ بالرَّفضِ فقال: «وأمَّا الحكم علىٰ حديثِ الطَّيْرِ بالوضع فغير

= علىٰ شرط الشيخان ولم يُخرِّجاه. والترمذي في المناقب (٥/٣٠٠)، والنَّسائي في خصائص علي بن أبي طالب رقم (١٠) وانظر التَّعليق الذي كتبه محقق الكتاب علىٰ الحديث.

(۱) سير أعلام النبلاء: ۱٦٨/۱۷.
(۲) أخرجه ۱۱۰/۳ من حديث زيد بن أرقم، وأحمد في المسند: ٣٦٨/٤، والترمذي رقم (۳۷۱۳)، وأحمد في فضائل الصحابة: ٥٦٩/٢ رقم (۹٥۹) وهو حديث إسناده صحيح، وأخرجه الحاكم: ١١٠/٣ من حديث البراء، وأحمد في المسند: ٢٨١/٤، ومن حديث أبي الطَّفيل أخرجه أحمد في المسند: ٣٧٠/٤، والحاكم ١١٠/٣ وابن حبان كما في موارد الظمآن رقم: (٢٢٠٥)، وأخرجه من حديث سعد بن أبي وقاص ابن ماجه رقم (۱۲۱)، وانظر الحديث برواياته المتعدّدة في «فضائل الصحابة» للإمام أحمد رقم: (٩٥٩) (١٠٠٧) (١٠٢١) (١٠٤٨) (١١٦٧) (١٢٠٦) و«فضائل الصحابة للنَّسائي» رقم: (٤١) و(٤٢) وَقد صحح الحديث ابن حجر في فتح الباري: ٧٤/٧.
(۳) سير أعلام النبلاء: (١٦٨/١ - ١٦٩).
(٤) تذكرة الحفاظ: (١٠٤٢/٣ - ١٠٤٣).

١٤

جَيِّد، ورأيتُ لِصَاحِبنا الحافظ صلاح الدِّين خليل بن كَيْكَلْدي العلائي عليه كلاماً قال فيه بعدما ذَكَر تخريج الترمذي لَهُ، وكذلكَ النَّسائي في «خَصائص عليٍّ رضي الله عنه». إنَّ الحقَّ في الحديث أنَّهُ رُبَّما ينتهي إلىٰ دَرَجَةِ الحسن، أو يكون ضعيفاً يُحتَمل ضَعْفهُ.

قال: (فأمَّا كونه ينتهي إلىٰ أنَّهُ موضوع مِن جميع طرقه فلا)[1] وقال السُّبكيُّ: (... فتأمَّلتُ مع ما في النَّفْسِ مِن الحاكم... فأوقعَ الله في نفسي أنَّ الرَّجُلَ كان عندهُ ميل إلىٰ عليٍّ رضيَ الله عنهُ يزيد علىٰ الميل الَّذي يطلبُ شرعاً[2]، ولا أقول: إنَّهُ ينتهي بِهِ إلىٰ أن يضع مِن أبي بكر وعُمر وعثمان رضي الله عنهم، ولا أنَّهُ يفضِّلُ علياً علىٰ الشَّيخين، بل أستبعد أن يُفَضِّلهُ علىٰ عُثمان رضي الله عنهما، فإنِّي رأيته في كتابِهِ «الأربعين» عقد باباً لتفضيل أبي بكر وعُمر وعُثمان، واختصَّهم مِن بين الصَّحابة، وقدَّمَ في «المستدرك» ذِكْر عُثمان علىٰ علـيٍّ رضيَ الله عنهما... وأخرجَ غير ذَلك مِنَ الأحاديث الدَّالة علىٰ أفضليَّة عُثمان مع ما في بعضها مِن الاستدراك عليهِ، وذكَر فضائل طلحة والزُّبير، وعبدالله بن عمرو بن العاص، فقد غلبَ الظنّ أنَّهُ ليس فيه وَلِلَّهِ الحَمد شيءٌ مِمَّا يُسْتَنكَر عليه إفراط في ميل لا ينتهي إلىٰ بِدْعَةٍ، وأنَا أجوِّز أن يكون الخطيب إنَّما يعني بالميلِ إلىٰ ذلك، ولذلك حكَمَ بأنَّ الحاكم ثِقة، ولو كان يعتقد فيه رفضاً لجرَّحهُ، لا سيما علىٰ مذهب

مَن يرىٰ ردّ رواية المبتدع، فكلام الخطيب عندنا يقرب مِنَ الصَّواب)[٣].

قلتُ: ويُلاحظ هنا ما يلي:

---

(١) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٦٩ ـ ١٧٠).
(٢) كذا قال السُّبكي رحمه الله تعالىٰ ولم يأت بدليل واحدٍ علىٰ ما قاله بل سيذكر العكس فتأمّل.
(٣) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٦٧ ـ ١٦٨) وانظر دفاع السُّبكي رحمهُ الله تعالىٰ عن الحاكم وتبرأته من الرفض في طبقات الشافعية: (٤/١٦٢ ـ ١٧٠).

١٥

١ ـ إنَّ قول الخطيب رحمه الله في تاريخ بغداد[١]: «وكان ابن البَيِّع يميل إلى التَّشَيّع» مُسْتَندها إلىٰ إخراج الحاكم لحديث «الطَّيْر» وحديث «مَن كنتُ مولاه فَعليّ مولاه». كما ذَكَر ذَلِك في تاريخ بغداد: «فأنكـر عليه أصحاب الحديث ذلك ولم يلتفتوا فيهِ إلىٰ قوله، ولا صَوَّبوه في فِعْلِهِ» كما نقل عن أبي إسحاق إبراهيم بن مُحمَّد الأُرْمَويّ[٢].

ونحن هنا نتساءل: هل الحاكم هو الوحيد الَّذي أخرج حديث الطَّيْر أم سبقهُ إلىٰ ذلك غيره مِنَ الحفَّاظ كما تقدم تخريجه فقد رواه الترمذي في المناقب: ٥/٣٠٠، والنَّسائى كما في خصائص علي حديث رقم: (١٠) فلماذا يُتَّهم الحاكم لِروايته حديث الطَّيْر بِالتَّشَيّع وتُثار حولهُ الشُّبهات.. ولا تُثار علىٰ الَّذين سبقوهُ مِنَ الأئمَّة الحفَّاظ؟!!.

وأمَّا حديث: «مَن كُنتُ مولاهُ فَعليّ مولاهُ» فهو حديثٌ صَحيح رواه الإمام أحمد وغيره كما تقدَّم تخـريجه فلماذا يُنْكرُ عليه أصحاب الحديث ذلك «ولم يلتفتوا فيهِ إلىٰ قوله، ولا صوَّبوه في فعله» ولم يُنْكِروا علىٰ الإمام أحمد رحمهُ الله تعالىٰ وعلىٰ غيرهِ مِنَ الحفَّاظ الذين أخـرجوه...؟!! والأدهىٰ مِن ذلكَ وأمرّ أنَّهُ حديث صحيح كما تَقدَّمَ تخريجه...

٢ ـ الرِّواية التي ذكـرها الـذَّهبي رحمهُ الله تعـالىٰ عن ابن طاهـر المقدسيّ: «أنَّهُ سألَ أبا إسماعيلَ عبدالله بن مُحمَّد الهَرَويَّ عن أبي عبدالله الحاكم، فقال: ثقةٌ في الحديث، رافضي خبيث»[٣].

هذا الجرح مرفوض لأسبابٍ عديدةٍ منها:

أنَّ محمَّد بن طاهر المقدسي رحمهُ الله تعالىٰ يُفَكِّر بعقليَّةٍ سبق التَّعليق عليها فلا يُقبل حكمهُ علىٰ الحاكم في هذا الأمر.

---

(١) تاريخ بغداد: ٤٧٤/٥.
(٢) تاريخ بغداد: ٤٧٤/٥.
(٣) سير أعلام النبلاء: ١٧٤/١٧، تذكرة الحفاظ: ١٠٤٥/٣.

١٦

والثَّاني أنَّ أبا إسماعيل عبدالله بن مُحمَّد الهرويّ رحمهُ الله تعالىٰ وصفهُ الذَّهبيّ بأنَّهُ: «كان أثرياً قُحّاً، ينَالُ مِنَ المُتَكَلِّمةِ»[١] والمعروف أنَّ الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ كان: أشعريّ العقيدة[٢] لذا لن يُقبل قوله في الحاكم إلَّا بدليلٍ واضحٍ بَيِّنٍ علىٰ تشيّع الحاكم أو رفضهِ. . .

يُضاف إلىٰ ذلك أنَّ شيخَ الإسلام الهَرويّ رحمهُ الله تعالىٰ كان حَنْبَليّاً مُتَعَصِّباً لمذهبِهِ وهو القائلُ:

أنــا حَنْبَليٌّ مــا حَيِيتُ وإنْ أمُتْ فَــوَصِيَّتي للنَّــاسِ أن يتحنْبَلوا[٣]

وكانَ الإمام الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ شافعياً. . .

وأمَّا قول ابنُ طاهر: «كان شديدَ التعَصُّب للشِّيعةِ في الباطن، وكان يُظهِرِ التَّسنُّنِ في التَّقديم والخِلافَة، وكانَ مُنْحَرِفاً غالياً عن معاوية رضي الله عنه، وعن أهل بيته»[٤].

فقد سبق مُناقشته؛ وَقُلنا: إنَّ ابن طاهر المقدسي رحمهُ الله تعالىٰ يُفَكِّر بعقلية لا تصلح لمناقشة الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ. . يُضَاف إلىٰ ذلك أنَّهُ استدل علىٰ طعنهِ بعقيدة الحاكم بدليل يصلُح حجَّة للحاكمِ لا عليه، فقد روىٰ عن أبي عبد الرّحمٰن السُّلمي قوله: «دَخلتُ على الحاكم وهو في دارهِ، لا يُمْكِنُهُ مِنَ الخروجِ إلى المسْجِد مِن أصحابِ أبي عَبْدِالله بن كَرَّام. . . فقُلتُ: لو خَرجتَ وأمليتَ في فضائلِ هذا الرَّجُلِ حديثاً، لاسترحتَ مِنَ

---

(١) سير أعلام النبلاء: ٥٠٦/١٨. ولهذا السَّبب تكلَّم في الإمام أحمد بن الحسن

الحيري لأنَّهُ كان أشعرياً وقد قال الذهبي في الإمام الجيري في سير أعلام النبلاء: ١٨/٥٠٦ «ثِقةٌ عالم».

(٢) طبقات الشافعية للسُّبكي: ٤/١٦٢.

(٣) سير أعلام النبلاء: ١٨/٥٠٦، تذكرة الحفاظ: ٣/١١٨٦ وانظر طبقات الحنابلة: ٢/٢٤٨.

(٤) سير أعلام النبلاء: (١٧/ ١٧٤ - ١٧٥).

١٧

المِحْنَةِ، فقال: لا يجيءُ مِنْ قلبي، لا يجيءُ مِنْ قَلبي»[1].

فلا أدري ما عِلاقة هذهِ الحكاية بتشيّع الإمام الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ.. إنَّ هذه الحِكاية دليلٌ علىٰ صِدقِ الإمام الحاكم وسلامة عقيدته وأنَّـهُ رفض أن يُنَافق ويُملي في فَضَائِل «مُحمَّد بن كَرَّام»[2]... وفوق ذلك كلّه تقدَّم نقل قول السُّبكي رحمهُ الله تعالىٰ: (.. فإنِّي رأيتُ في كتابه «الأربعين» عقَد باباً لتفضيلِ أبي بكر وعُمر وعثمان، واختصَّهم مِن بينِ الصَّحابةِ، وقدَّمَ في «المستدرك» ذِكْر عُثمان علىٰ عليٍّ رضيَ الله عنهما.. وأخرج غير ذلك مِنَ الأحاديث الدَّالة علىٰ أفضليَّة عثمان... وذَكر فضائل طَلْحَة والزُّبير، وعبدالله بن عَمرو بن العاص...)[3].

إنَّ الأدِلَّـة المتقدِّمة والتي طعَنَت في عقيدة الحاكم لا تصلحُ أن تكونَ دليلاً علىٰ «تشيّع» الحاكم فضلاً عن أن يُتَّهم بالرَّفض...

كما أنَّ اتّهام مسلم في «عقيدته» أمرٌ بالغ الخطورة يحتاج إلىٰ بيِّنَةٍ واضحةٍ، ودليلٍ قويّ، فكيف إذا كان هذا المُسْلِمُ إماماً مِن أئمَّةِ الدِّينِ وعَلَماً مِن أعلام السُّنَّةِ ورَجُلاً مِن رِجالِ الحديثِ الَّذينَ وَثَّقَهُ أهل عَصْرِه وَشهدوا لهُ بالحفظ والإتقان والإمامة وجلالة القدر فضلاً عن التَّقوىٰ والصَّلاح... بل قَدَّموهُ علىٰ أنفسهم، وفوق ذلك كلّه أنَّ لَهُ «مُصَنَّفات» تثبت خلاف ما اتُّهِمَ بهِ... وإنِّي لأعجب مِن الإمام الذَّهبي رحمهُ الله تعالىٰ كيف أورد بعضَ هذه الرِّوايات دونَ أن يُناقشها المناقشة العِلْميَّة المعهودة فيهِ... نعم قد رَدَّ علىٰ بعضها وضَعَّفها غير أنَّ المطلوب منهُ أن لا يقولَ في إمام كالحاكم: «فهو شِيعيّ لا رافضيّ» دون أن يأتي بِدليلٍ قويٍّ يصلح لاتِّهامه بالتَّشيّعِ...

(١) المنتظم: ١٧/١٧٥.
(٢) انظر ترجمته ومصادرها في سير أعلام: (١١/٥٢٣ ـ ٥٢٤).
(٣) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٦٧ ـ ١٦٨).

١٨

أقوال العُلماء فيه وثناؤهم عليه:

١ ـ قال الخَطيبُ البغداديُّ: «كان مِنْ أهلِ الفَضْلِ والعِلْمِ والمعرفةِ والحفظِ، ولهُ في علومِ الحديثِ مُصَنَّفات عدَّة... وكان ثقة»[١].

٢ ـ وقال عَبْدُ الغافِرِ بْنُ إسماعيل: «هو إمامُ أهلِ الحديثِ في عَصْرِهِ، العـارِفُ به حَقَّ معـرفتهِ... وبيتُـهُ بيتُ الصَّلاح والـورَعِ والتَّـأذينِ في الإسلامِ... وتصانيفُهُ المشهورةُ تَطْفَحُ بذِكْرِ شيوخهِ، وقرأَ بخُراسانَ علىٰ قُرَّاءِ وقتهِ، وتفقَّهَ علىٰ أبي الوليد، والأُستاذِ أبي سَهْل، واختصَّ بصُحبةِ الإمام أبي بكر الصِّبْغي، وكان الإمامُ يُراجعُهُ في السُّؤالِ والجَرْحِ والتَّعديل، وأوصىٰ إليهِ في أمورِ مدرستهِ دارِ السُّنَّةِ، وفوَّضَ إليهِ توليةَ أوقافهِ في ذلكَ، وذاكَرَ مثل الجِعَابي، وأبي عليّ الماسَرْجِسيِّ الحافظ الذي كان أحفظَ زَمانهِ، وقد شرَعَ الحاكمُ في التَّصنيفِ سنة سبعٍ وثلاثين، فاتَّفق له مِنَ التَّصانيف ما لعلَّهُ يبلغ قريباً مِن ألفِ جزءٍ...

ولقد سمعتُ مشايخنا يذكرون أيّامه، ويحكُون أنَّ مُقَدَّمي عصرهِ مثلَ أبي سَهْلٍ الصُّعْلوكي، والإمام ابنِ فُورك وسائرَ الأئمَّة يُقدِّمونهُ علىٰ أنفسِهِم، ويُراعونَ حقَّ فَضلهِ، ويعرفونَ لهُ الحرمة الأكيدة.

ثُمَّ أطنب عبد الغافر في نحو ذلك مِن تعظيمه، وقال: هذهِ جملٌ يسيرةٌ هي غيضٌ مِن فيضِ سِيَرِهِ وأحوالهِ، ومَن تأمَّلَ كلامَهُ في تصانيفهِ، وتَصَرُّفه في أماليه، ونَظَرَهُ في طُرُقِ الحديث، أذعنَ بفضلهِ، واعترفَ له بالمَزيّة علىٰ مَن تَقَدَّمَهُ، وإتعابَهُ مَنْ بعدهُ، وتعجيزَه اللاَّحقين عَن بُلوغِ شَأْوِهِ، وعاشَ حميداً، ولم يُخَلِّف في وقتهِ مثلَه»[٢].

(١) تاريخ بغداد: ٥/٤٧٣.
(٢) سير أعلام النبلاء: (١٧/١٦٩ ـ ١٧١)، تذكرة الحفاظ: (٣/١٠٤٣ ـ ١٠٤٤)،

طبقات الشافعية الكبرىٰ: ١٥٩/٤.

١٩

٣ ـ وقال العَبْدُوِيي: «وسمعتُ أبا عَبْدَ الرَّحمٰن السُّلَمي يقول: كتبتُ علىٰ ظَهْرِ جُزءٍ مِن حديثِ أبي الحُسَين الحَجَّاجيِّ: الحافظ. فأخذَ القلمَ، وضَربَ علىٰ الحافظِ، وقال: أيْش أحفظُ أنا؟ أبو عبدالله بنُ البيّاع أحفظُ مِنّي، وأنا لم أرَ مِنَ الحُفَّاظِ إلاّ أبا عليّ النَّيْسابوري، وأبا العباس بنَ عُقْدَة. وسمعتُ السُّلَميَّ يقولُ: سألتُ الدَّارَقُطْني: أيُّهما أحفظُ: ابنُ مَنْدَة، أو ابنُ البيِّع؟ فقال: ابنُ البيِّع أتقنُ حفظاً»[١].

٤ ـ وقال أبو حازم: «أقمتُ عند أبي عَبْدِالله العُصْمي قريباً مِن ثلاثِ سنينَ، ولم أرَ في جُمْلَةِ مشايخنا أتقنَ منهُ ولا أكثر تنقيراً، وكانَ إذا أشْكَلَ عليه شيءٌ، أمرني أن أكتُبَ إلىٰ الحاكمِ أبي عَبْدِالله، فإذا وردَ جوابُ كتابهِ، حَكَم به، وقطَعَ بقولِهِ»[٢].

٥ ـ وقال الخليل بن عبدالله الحافظ: «ناظرَ الدَّارَقُطني فَرَضِيَهُ، وهو ثِقةُ واسعُ العِلْمِ، بلغت تصانيفُهُ قريباً مِن خمسمائة جزء... ثُمَّ كنت أسألهُ فقال لي: إذا ذاكرت في بابٍ لا بُدَّ مِنَ المُطَالَعَةِ لكبر سِنّي، فرأيتُهُ في كُلِّ ما ألقي عليه بحراً...»[٣].

٦ ـ وقال مُحمَّد بن طاهر الحافظ: «سألتُ مَسْعداً الزَّنْجاني الحافظ بمكّة قلتُ: أربعة مِنَ الحُفّاظِ تعاصَروا أيّهم أحفظ؟

فقالَ: مَن؟

قلتُ: الدَّارَقُطْنيّ ببغداد، وعبد الغنيّ بِمِصْرَ، وأبو عبدالله بن مَنْدَة

---

(١) تبيين كذب المفتري: (٢٢٩، ٢٣٠)، سير أعلام النبلاء: ١٧١/١٧، تذكرة الحفّاظ: ١٠٤٤/٣.

(٢) تبيين كذب المفتري: ٢٣٠، سير أعلام النبلاء: ١٧١/١٧، طبقات الشافعية الكبرىٰ: ١٥٨/٤.

(٣) تذكرة الحفاظ: (١٠٤٠/٣ ـ ١٠٤١).

بأصْبَهان، وأبو عبدالله الحاكم بنَيْسَابور. فَسَكَت، فَألْححتُ عليه، فقال: أمّا الدَّارَقُطْنِيّ فأعلمهُم بالعِلَلِ، وأمّا عبد الغنيّ فأعلمهُم بالأنساب، وأمّا ابن مَنْدَة فأكثرهم حديثاً، مع معرفةٍ تامّةٍ، وأمّا الحاكم فأحسنُهم تصنيفاً»[١].

٧ ـ وقال السَّمعاني: «كانَ مِنْ أهلِ الفَضْلِ والعِلْمِ، والمعرفةِ والحفظِ، وله في علوم الحديث وغيرها مُصَنَّفات حِسَان»[٢].

٨ ـ وقال ابْنُ خَلِّكان: «إمام أهل الحديث في عصره، والمؤلِّف فيه الكُتُبَ التي لم يُسْبق إلىٰ مثلِها، كان عالِماً عارفاً واسِعَ العِلْم»[٣].

٩ ـ وقال الذَّهبيُّ: «الإمامُ الحافظُ، النَّاقِدُ العَلَّامةُ، شيخُ المحدِّثين. . .»[٤].

١٠ ـ وقال أيضاً: «الحافظ الكبير إمام المحدِّثين»[٥].

١١ ـ وقال أيضاً: «وانتهت إليه رياسة الفن بخُراسان لا بل الدُّنيا. . وهو ثقةٌ حجَّة»[٦].

١٢ ـ وقال ابنُ كثير: «وقد كان مِن أهل الدِّينِ والأمانةِ، والصِّيانة، والضَّبطِ، والتَّجردِ والوَرَعِ. . .»[٧].

---

(١) طبقات الشافعية الكبرىٰ: (٤/١٥٩ ـ ١٦٠).
(٢) الأنساب: ٢/٣٧٠.
(٣) وفيات الأعيان: ٤/٢٨١.
(٤) سير أعلام النبلاء: ١٧/١٦٣.
(٥) سير أعلام النبلاء: ٣/١٠٣٩.
(٦) شذرات الذهب: ٣/١٧٦.
(٧) البداية والنهاية: ١١/٣٥٥.

١٣ ـ وقال السُّبكيُّ: «كان إماماً جليلاً، وحافظاً حفيلاً، اتُّفِقَ علىٰ إمامتهِ، وجَلَالتهِ، وَعِظَمِ قَدْرِهِ»[١].

١٤ ـ وقال ابنُ ناصر الدِّين: «وهو صدوقٌ مِنَ الأثبات»[٢].

إنَّ أقوالَ العلماءِ وثناءَهم علىٰ الحاكم رحمهُ الله تعالىٰ يطول، وليس هذا مجال سرد لكلِّ تلك الأقوال، فالإمام الحاكمُ قد نالَ الدَّرجة الرَّفيعة، والمنزلة المرموقة بين علماء الحديث، ولم يُجرَّح بشيء يستحق الذِّكْر، اللَّهُمَّ إلَّا اتِّهامهُ بالتَّشيُّع، وهي تهمة لم تقم الحجَّة الكافية عليها. وتصحيح واهيات كما قال ابن ناصر الدِّين الدِّمشقي، ومع هذا فقد قال فيه: «صدوق مِنَ الأثبات».

وأمَّا رواية الحاكم للواهيات في «المُسْتَدْرَك» فقد اعتذر له الحافظ ابن حَجَر فقال:

(والحاكم أجلّ قدراً، وأعظم خطراً، وأكبر ذِكْراً مَن أن يُذكر في الضُّعفاءِ، لكن قيل في الاعتذار عنهُ: إنَّهُ عند تصنيفهِ «للمُسْتَدْرَك» كانَ في أواخرِ عمرهِ، وذكَرَ بعضهم أنَّهُ حصلَ لَهُ تغيّر وغَفْلَة في آخر عمرهِ، ويدل علىٰ ذلك أنَّهُ ذَكَر جماعة في كتاب «الضُّعفاءِ» لَهُ وقطعَ بتركِ الرِّواية عنهم ومَنَعَ مِنَ الاحتجاج بهم، ثُمَّ أخرجَ أحاديث بعضهم في مستدركهِ وصححها)[٣].

مؤلَّفاته:

١ ـ قال الخطيب البغداديّ: «وله في علومِ الحديثِ مُصَنَّفات عدَّة»[٤].

(١) طبقات الشافعية الكبرىٰ: ١٥٦/٤.

(٢) شذرات الذهب: (١٧٦/٣ ـ ١٧٥).

(٣) اللسان: ٢٣٣/٥، فتح المغيث: ٣٦/١.

(٤) تاريخ بغداد: ٤٧٣/٥.

٢ ـ وقال ابن خَلّكان: «إمام أهل الحديث في عصرهِ، والمؤلِّف فيه الكتب التي لم يُسبق إلىٰ مثلِها»[١].

٣ ـ وقال ابن كثير: «وصنَّفَ الكُتُب الكِبار والصِّغار»[٢].

٤ ـ وقال السُّبكيّ: «صاحب التَّصنيف في علومِ الحديث»[٣].

(١) وفيات الأعيان: ٤/٢٨٠.
(٢) البداية والنهاية: ١١/٣٥٥.
(٣) طبقات الشافعية الكبرىٰ: ٤/١٥٥.

امام حاکم علیہ الرحمہ کی ثقاہت اکابرین کے قلم سے

یہاں تک شیعی کا اعتراض تو روایت کے اعتبار سے ختم ہوگیا، اب کچھ آپ کی ثقاہت دیکھتے ہیں تاکہ تساہل کے اعتراض میں معاملہ سہل ہوجائے۔

امام حاکم کی ثقاہت محدثین نے بڑے کروفر سے بیان فرمائی۔ کافی ثقاہت تو سوالات سجزی کے مقدمہ اور اس کے حاشیہ میں مرقوم ہے۔ یہاں صرف امام اہل سنت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے قول پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ آپ بدمذہبوں کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''خیر کسی مسخرہ شیطان کے منہ کیا لگیں۔ برادران باانصاف انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابوعبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے، امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کیے گئے ان دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابوعیسیٰ ترمذی تصحیح و تحسین میں متساہل ٹھہرے۔ امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری و ابوزرعہ کے لوہے مانے۔'' کما اوضحنا فی رسالتنا مدارج طبقات المحدثین''۔[1]

تساہل مستدرک میں تھا امام حاکم میں نہیں تھا

امام حاکم کی ثقاہت اور گزشتہ امور کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات نکھر آتی ہے کہ امام حاکم بذاتہ متساہل نہ تھے مستدرک میں تساہل کی وجہ حادثاتی موت تھی جس کے باعث کانٹ چھانٹ نہ کرسکے۔ سو اگر ہم یہاں جرح کو ترجیح دیں تو یوں کہیں گے کہ روایتِ مستدرک، تلخیص مستدرک کی تعدیل کے ساتھ معتبر اور جرح کے ساتھ غیر معتبر ہوگی۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ مقامِ بیان میں سکوت بیان ہوتا ہے۔'' کما فی رسالۃ الصدیق الغماری المسماۃ بحسن التفھم والدرك لمسألۃ الترك''۔

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۷ ص ۲۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مولود کعبہ والی روایت کو تلخیص مستدرک میں جرح کے بغیر نقل کرنا قبولیت کی دلیل ہے

لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مولود کعبہ والی روایتِ مستدرک کو تلخیص مستدرک میں امام ذہبی علیہ الرحمہ کا جرح و نقد کیے بغیر نقل فرمانا جبکہ تدریب الراوی اور بستان المحدثین سے یہ معلوم ہو چکا کہ امام ذہبی علیہ الرحمہ کا انداز ہے کہ وہ ضعف و نکارت پر مبنی روایات کا تعاقب فرماتے ہیں اور یہاں پر تعاقب نہ فرمانا روایت کو قبول کرنے کی دلیل ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں:

باینہمہ امام ابن الصلاح و امام طبری و امام نووی و امام زرکشی، و امام عراقی و امام عسقلانی و امام سخاوی و امام زکریا انصاری و امام سیوطی وغیرہم علیہم الرحمہ نے تصریحیں فرمائیں کہ اگر امام معتمد نے کسی حدیث کی صحت پر تنقیص کی یا کتاب ملتزم الصحۃ میں اسے روایت کیا اسی قدر اعتماد کے لیے بس ہے اور احتجاج روا۔ [1]

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے ''تنزیه المكانة الحیدریه عن و صمة عهد الجاهلیة'' میں ایک مقام پر امام حاکم کی مستدرک پر امام ذہبی علیہ الرحمہ کی عدمِ مخالفت کو شانِ اہتمام سے نقل فرمایا چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

''والثالث حدیث ثوبان مرفوعًا اخرجها البزار والحاکم فی المستدرك وقال صحیح علی شرط الشیخین واقره الذهبی ''۔الخ [2]

ترجمہ: اور سوم: حضرت ثوبان کی حدیث مرفوع جس کی تخریج بزار نے کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کر کے فرمایا کہ صحیح بر شرط شیخین ہے اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔ [3]

---

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۶۲۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیہ بحوالہ السیوطی، المقصد الاول، باب وفاۃ امہ الخ، ج ۱ ص ۱۷۲۔ ۱۷۳، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

[3] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۸ ص ۴۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب علیہ الرحمہ کے قلم سے امام حاکم اور حدیث ضعیف کے فضائل ومناقب

استاذ العلماء محقق عصر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ''شرح صحیح مسلم''، میں امام حاکم علیہ الرحمہ کے بارے اور حدیث ضعیف کے فضائل ومناقب میں معتبر ہونے کے بارے رقمطراز ہیں:

بعض اہل علم نے ہماری اس عبارت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ جب حاکم متساہل ہیں تو پھر کسی جگہ بھی حاکم کی روایت سے استدلال نہ کریں، حالانکہ آپ نے اپنی کتاب میں بہت جگہ حاکم کی روایات سے بھی استدلال کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جس حدیث کو دوسرے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہو وہاں حاکم کی تصحیح کا اعتبار نہیں ہے نہ یہ کہ حاکم مطلقاً ساقط الاعتبار ہیں۔

(اس سے ذرا آگے لکھتے ہیں:)

علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

بے شمار علماء سلف سے مروی ہے کہ جو احادیث حلال اور حرام کرنے سے متعلق ہوں، ان میں صرف ان لوگوں کی روایت جائز ہے جو تہمت سے بری ہوں اور بدگمانی سے دُور ہوں اور جو احادیث ترغیب اور مواعظ سے متعلق ہوں ان کو تمام مشائخ سے لکھنا جائز ہے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ حلال اور حرام میں اس علم کو صرف ان لوگوں سے حاصل کرو جو اس فن کے رئیس ہیں اور علم میں مشہور ہیں جو کمی اور زیادتی کی معرفت رکھتے ہیں اور اس کے ماسوا میں باقی مشائخ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ جب ہم حلال، حرام، سنن اور احکام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث روایت کرتے ہیں تو اسانید میں سخت قیود لگاتے ہیں اور جب ہم فضائل اعمال میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی احادیث روایت کرتے ہیں جن سے کوئی حکم لاگو ہوتا ہے نہ ساقط ہوتا ہے تو پھر ہم اسانید میں تساہل کرتے ہیں۔ ابوزکریا عنبری نے کہا: جب کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے یا اور کسی حکم کے متعلق حدیث وارد نہ ہو اور ترغیب یا ترہیب یا تشدید

یا ترخیص ہو تو اس سے اغماض کرنا اور اس کے راویوں کے احوال سے تساہل کرنا واجب ہے (یا جائز ہے؟ سعیدی غفرلہٗ)۔ [1]

امام ابوعمرو بن صلاح لکھتے ہیں:

محدثین وغیرہم (یعنی فقہاء) کے نزدیک موضوع حدیث کے علاوہ احادیث ضعیفہ کو بغیر بیان ضعف کے روایت کرنا جائز ہے، بہ شرطیکہ وہ احادیث اللہ تعالیٰ کی صفات اور حلال اور حرام اور دیگر احکام شریعت سے متعلق نہ ہوں، مثلاً مواعظ، قصص، فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کے دیگر فنون سے متعلق ہوں، جن کا احکام اور عقائد سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جن ائمہ نے اس میں تساہل کی تصریح کی ہے ان میں عبد الرحمان بن مہدی اور امام احمد بن حنبل شامل ہیں۔ [2]

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

محدثین وغیرہم کے نزدیک موضوع حدیث کے علاوہ حدیث ضعیف کی سند میں روایت کے وقت تساہل کرنا جائز ہے اور اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے۔ بہ شرطیکہ اس حدیث کا تعلق اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام شرعیہ مثلاً حلال اور حرام سے نہ ہو اور اس حدیث کا عقائد اور احکام سے کوئی تعلق نہ ہو۔ [3]

علامہ سیوطی اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام (حافظ ابن حجر عسقلانی) نے فضائل اعمال وغیرہ سے متعلق ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرائط ذکر کی ہیں:

(۱) اس حدیث میں شدید ضعف نہ ہو، سو جس حدیث کی روایت میں کوئی کاذب راوی

---

[1] حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ ھ، الکفایہ فی علم الروایہ، ص ۱۳۳۔ ۱۳۴، مطبوعہ مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ

[2] امام ابوعمرو عثمان بن عبد الرحمٰن شہرزوری المعروف بابن الصلاح متوفی ۶۴۳ ھ، علوم الحدیث، ص ۹۲۔ ۹۳، مطبوعہ مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ

[3] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ، تقریب النواوی مع تدریب (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یا متہم بالکذب راوی منفرد ہو وہ اس قاعدہ سے خارج ہے، اسی طرح جو راوی فحش غلطی کرتا ہو اس کی روایت بھی خارج ہے، علامہ علائی نے اس شرط پر اتفاق نقل کیا ہے۔

(۲) وہ حدیث کسی معمول بہ قاعدہ کے تحت مندرج ہو۔

(۳) اس حدیث پر عمل کرتے وقت اس حدیث کے ثبوت کا اعتقاد نہ کرے بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھے۔ [۱]

ڈاکٹر محمد طحان نے بھی ان تین شرائط کو حافظ ابن حجر کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ [۲]
(فتح المغیث جلد ا صفحہ ۸۶۲، میں بھی ان شرائط کا بیان ہے۔)

صحیح مسلم کے مقدمہ کی شرح میں علامہ نووی نے اس مسئلہ پر محققانہ گفتگو کی ہے کہ حلال اور حرام ایسے احکام شرعیہ میں حدیث ضعیف سے استدلال کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے، لکھتے ہیں:

بسا اوقات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب، ترہیب، فضائل اعمال اور قصص کی احادیث اور زہد اور مکارم اخلاق وغیرہ کی احادیث روایت کرتے ہیں جن کا حلال اور حرام اور دیگر احکام شرعیہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، اس قسم کی احادیث میں محدثین وغیرہم کے نزدیک تساہل جائز ہے اور غیر موضوع کی روایت بھی جائز ہے اور اس پر عمل کرنا بھی جائز ہے کیونکہ اس کے قواعد صحیح شریعت میں مقرر اور علماء کے نزدیک معروف ہیں، بہر حال جب ضعیف راوی احکام سے متعلق حدیث کی روایت میں منفرد ہو تو ائمہ اس حدیث سے استدلال نہیں کرتے، کیونکہ یہ ایسا فعل ہے جس کو ائمہ حدیث میں سے کسی امام نے اور محققین علماء میں سے کسی عالم نے نہیں کیا، اور اکثر فقہاء نے جو ضعیف راویوں پر اعتماد

(بقیہ صفحہ سابقہ) الراوی، ج ا ص ۲۹۸، مطبوعہ مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ، ۱۳۹۲ھ

[۱] علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، تدریب الراوی، ج ا ص ۲۸۹۔۲۹۹، مطبوعہ مطبعہ مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ۱۳۹۲ھ

[۲] ڈاکٹر محمد طحان، تیسیر مصطلح الحدیث، صفحہ ۶۴۔۶۵، مطبوعہ نشر السنۃ، ملتان

کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ بہت قبیح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اس راوی کا ضعف معلوم ہے تو ان کے لیے اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث سے احکام میں استدلال نہیں کیا جاتا اور اگر اس کا ضعف معلوم نہیں ہے تب بھی بحث اور تفتیش یا اہل علم سے سوال کیے بغیر اس حدیث سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے۔ [1]

سو امام ذہبی جیسی معتمد علیہ شخصیت کا اپنی تلخیص مستدرک میں اس روایت کو بیان کرنا (جبکہ آپ کی کتاب ملتزم الصحۃ تو ہے ہی صحت وضعف اور نکارت کو پرکھنے کے التزام پر مبنی) جو اس بات کی نشاندہی ہے کہ یہ روایت قابلِ اعتماد ہے۔

اور جب اس قدر ثبوت ایسی روایت کے لیے ہو جائے تو وہ فضائل ومناقب میں معتبر ہوتی ہے۔ امام ذہبی علیہ الرحمہ نے اس روایت کو اگر کسی دوسرے مقام پر ذکر نہیں فرمایا تو عدمِ ذکر ذکر کردہ کی نفی کو مستلزم نہیں اور نہ ہی یہ قانون وقاعدہ ہے کہ ایک مرتبہ کے بعد دوسری بار اس کو اسی قسم کی کتاب میں ذکر کیا جائے، بس یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کے ثبوت کے لیے ایک مرتبہ مقامِ بیان میں بغیر جرح ونقد کے ذکر کرنا کافی ووافی ہے۔

اس روایت کو اگر بالفرض تواترِ اخبار پر تسلیم نہ بھی کیا جائے تو ضعف روایت تو کم از کم درجہ ہے جو وجود روایت پر دلیل ہے۔

اور یہ تمہید میں گزر چکا ہے کہ حدیثِ ضعیف فضائل ومناقب میں معتبر ہوتی ہے۔

حضرت حکیم ابن حزام کا مولود کعبہ ہونا حضرت علی المرتضیٰ کے مولود کعبہ ہونے کے مخالف نہیں

اب یہاں ایک اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ حدیث ضعیف وہاں فضائل میں معتبر ہوتی ہے جو حدیث صحیح کے ساتھ نہ ٹکرائے؟ جبکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ والی

---

[1] علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ، شرح مسلم، ج ا ص ۲۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی، ۱۳۷۵ھ، شرح صحیح مسلم، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور

روایت، حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت سے ٹکرا رہی ہے۔ لٰہذا جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مولودِ کعبہ نہ ہوئے؟ یہ ایک سطحی سا اشکال ہے اور خلط مبحث کرتے ہوئے وارد کیا جا سکتا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ یہ قانون تو درست ہے لیکن اس کا مصداق وہ یہاں درست نہیں کیونکہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں پیدائش ایک علیٰحدہ معاملہ ہے جو عام الفیل سے تیرہ سال پہلے رونما ہوا۔ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت در کعبہ ایک الگ امر ہے۔ جو بعثت سے زیادہ سے زیادہ عمر کی روایت کے مطابق سولہ سال پہلے پیدا ہونے کا ہے۔ ٹکراؤ اور مخالفت اس وقت ہوتی اگر ایک کی پیدائش کعبہ میں تسلیم کرنے سے دوسرے کی پیدائش کی نفی لازم آ رہی ہو جبکہ یہاں دو بندوں کی پیدائش در کعبہ الگ الگ معاملہ ہے اور ایک کی پیدائش تسلیم کرنے سے دوسرے کی نفی لازم نہیں آتی۔

جب دونوں کی پیدائش کی تاریخ میں کئی سالوں کا فرق ہے۔ پھر مخالفت کیسے لازم آ گئی؟

حدیث ضعیف فضائل میں معتبر ہے

اگر مذکورہ بالا روایت کو ضعیف شمار کریں اور ضعیف رکھتے ہوئے فضائل و مناقب میں استعمال کریں تو وہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں:

جیسے بعض جاہل بول اٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں۔ یہ ان کی نادانی ہے۔ علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں۔ یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔ عزیز و مسلم کی صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے۔ رسالۂ قاری و مرقاۃ و شرح ابن حجر مکی و تعقبات واللآ لی امام سیوطی و قول مسدد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادۂ دوم و سوم و چہارم و دہم میں گزریں۔ عبارت تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائل اعمال میں مقبول ہے با آنکہ اس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی

ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے۔ امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی، کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب میں فرماتے ہیں:

''الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبلۃ محتملۃ علی کل حال مقاطعیھا و مراسلیھا لا تعارض ولا ترد کذلك کان السلف یفعلون''۔[1]

ترجمہ: فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے نہ انہیں رد کریں ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر ملا علی قاری مرقاۃ و حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

''قد اتفق الحفاظ و لفظ الاربعین قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال و لفظ الحرز لجواز العمل بہ فی فضائل الاعمال بالاتفاق''۔

یعنی بے شک حفاظِ حدیث و علمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (ملخصاً)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی طرح دلائل دیتے ہوئے ذرا آگے فرماتے ہیں:

مقدمہ امام ابوعمرو ابن الصلاح و مقدمہ جرجانیہ و شرح الالفیۃ للمصنف و تقریب النواوی اور اس کی شرح تدریب الراوی میں ہے:

''واللفظ لھما یجوز عند اھل الحدیث وغیرھم التساھل فی الاسانید الضعیفۃ و روایۃ ما سوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ من غیر بیان ضعفہ فی فضائل الاعمال وغیرھما مما لا تعلق لہ

[1] قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، فصل الحادی والعشرون، ج ۱ ص ۱۷۸، مطبوعہ دار صادر، مصر

بالعقائد والاحکام و ممن نقل عنه ذلك ابن حنبل و ابن مهدی و ابن المبارك قالوا اذا روينا فی الحلال والحرام شددنا و اذا روينا فی الفضائل ونحوها تساهلنا اه ملخصا"۔

محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہارِ ضعف، موضوع کے سوا ہر قسم کی حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے، جنہیں عقائد و احکام سے تعلق نہیں۔ امام احمد بن حنبل و امام عبدالرحمٰن بن مہدی و امام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے ہیں: جب ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں تو سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں، تو نرمی اھ ملخصاً۔[1]

اس کے علاوہ آپ نے اس رسالہ میں حدیثِ ضعیف کے فضائل ومناقب میں معتبر ہونے پر کافی کلام فرمایا ہے۔ جو پڑھنے کے قابل ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت علیہ الرحمہ کی گزشتہ وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ حدیث ضعیف فضائل ومناقب میں معتبر ہوتی ہے، اور دوسرا یہ کہ علمائے محدثین باعتبار سند کے اپنی اصطلاح کے مطابق کلام فرماتے ہیں جس کو ضعیف فرما دیں وہ روایت بلا سند یا غیر معتبر نہیں ہوتی۔ اصطلاحِ محدثین کے مطابق اس پر کلام ہوتا ہے۔

اس مبارک وضاحت سے ذہنوں میں پیدا ہونے والا یہ اشکال بھی اٹھ جاتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے محدثین نے "ضعیف" ہونے کا قول فرمایا ہے۔

چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ "تدریب الراوی" میں فرماتے ہیں:

"قال الزبير بن بكار: كان مولد حكيم فی جوف الكعبة"۔

"قال شيخ الاسلام: ولا يعرف ذلك لغيره وما وقع فی

---

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۴۷۸۔۴۸۱، رسالہ مبارکہ "منیر العینین فی حکم تقبیل الابہامین" مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

''مستدرك الحاكم من ان عليا ولد فيها''۔ضعیف

یعنی زبیر ابن بکار کہتے ہیں: حضرت حکیم ابن حزام کی پیدائش کعبہ کے اندر ہوئی۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ حکیم ابن حزام کے علاوہ کسی اور کے لیے یہ معاملہ نہیں پہچانا گیا۔ اور جو حاکم کی مستدرک میں واقع ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مولودِ کعبہ ہیں یہ ضعیف ہے۔ [۱]

اسی طرح روایتِ مستدرک کے بارے دیگر محدثین نے لکھا۔ [۲]

اسی طرح ''الدین و تاریخ الحرمین الشریفین'' میں ''تاریخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف'' میں اور ''تهذيب الاسماء واللغات للنووی'' میں اور دیگر محدثین نے اس بات کو بیان فرمایا۔

اس وضاحت کے بعد یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ان محدثین کو یہ روایت سنداً ضعیف ملی ہے۔ یعنی اس پر جرح تیسرے مرتبہ کی ہے۔ جس میں روایت قابل اعتبار ہوتی ہے نہ کہ متروک۔ [۳]

محدثین کا کسی حدیث پر حکم سند کے اعتبار سے ہوتا ہے

اور یہ عین ممکن ہے کہ امام حاکم کو یہ روایت بطریق شہرت ملی ہو۔ جس کو امام الناقدین حافظ شمس الدین ذہبی علیہ الرحمہ جانتے ہوں جس بنا پر انہوں نے اسے تلخیص

---

[۱] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ج۲ ص ۸۸۲، النوع الستون، مطبوعہ دار العاصمة للنشر والتوزیع، الریاض

[۲] دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، باب فی الصدق، ج۱ ص ۲۱۶، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، لبنان، الطبعة الرابعة ۱۴۲۵، المجالس الوعظیہ فی شرح احادیث خیر البریة صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صحیح البخاری، المجلس الرابع والثلاثون، ج۲ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الاولی، الوسیط فی علوم ومصطلح الحدیث، الفرع الثانی، ص ۲۶۰، مطبوعہ دار الفکر العربی

[۳] تدریب الراوی، ج۱ ص ۵۸۰، النوع الثالث والعشرون، مطبوعہ دار العاصمة للنشر والتوزیع، الریاض

میں نقل فرما دیا یا اس واقعہ کی تاریخی اعتبار سے شہرت کے پیشِ نظر ترکِ سند کا لحاظ فرمایا ہو۔ پھر اس میں جن علماء کو یہ روایت ضعیف ہو کر ملی انہوں نے ''لا یعرف ذلك لغیرہ، ولم یتفق ذلك لغیرہ'' اور ''ولم یولد فیھا احد غیرھا'' ایسے الفاظ ارشاد فرمائے کہ کسی اور کے لیے یہ واقعہ ایسی سند مشہور کے ساتھ نہیں پہچانا گیا۔

اس بارے ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی صراحت

اور ایسا ہونا ممکن امر ہے محال نہیں اس کی مثال مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث مبارک سے ملاحظہ فرمائیے۔

''وعنہ ان النبی ﷺ کان یعلّمھم من الحمیّ و من الاوجاع کلھا ان یقولوا: بسم اللہ الکبیر، أعوذ باللہ العظیم من شر کل عرق نعّار، و من شر حر النّار، رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب لا یعرف الا من حدیث ابراھیم بن اسماعیل وھو یضعف فی الحدیث''۔

یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بخار اور تمام دردوں سے نجات کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دعا سکھایا کرتے تھے کہ مریض یا عیادت کرنے والا یہ دعا پڑھے:

''بِسْمِ اللہِ الْکَبِیْرِ، اَعُوْذُ بِاللہِ الْعَظِیْمِ مِنْ شَرِّ کُلِّ عِرْقٍ نَّعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ''۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا: یہ حدیث غریب ہے جسے ابراہیم بن اسماعیل کی حدیث سے پہچانا گیا ہے اور یہ شخص حدیث میں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیث کے آخری کلمات پر ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری ''مرقاۃ'' میں کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: امام قرطبی علیہ الرحمہ نے فرمایا: ابراہیم بن اسماعیل متروک ہے۔ (یعنی چوتھے مرتبہ کا جس کی حدیث نا قابلِ اعتبار ہوتی ہے) اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس حدیث کو ابن ابی شیبہ، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی دنیا، ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور امام حاکم نے اس روایت کو ذکر کر کے تصحیح فرمائی اور امام

بیہقی نے الدعوات میں اس حدیث کو بیان کیا، اور علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس کی تصحیح پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے کہہ دیا کہ عیادت کرنے والے کے لیے اس دعا کا ذکر کرنا مسنون و مستحب ہے کیونکہ حدیث ضعیف ایسے اعمال میں بالاتفاق حجت ہے۔ [۱]

اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: چنانچہ امام قرطبی نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہیں مگر حاکم و بیہقی نے یہ حدیث بروایت صحیح نقل کی۔ بہر حال ترمذی کو ضعیف ہو کر ملی مگر ان محدثین کو صحیح ملی۔ اگر ضعیف بھی ہوئی تو فضائل اعمال میں قبول تھی۔ [۲]

اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی سمجھ لیا جائے ورنہ اتنے نقاد محدثین کا اسے بغیر جرح و قدح کے نقل کرتے جانا سوائے قبول کرنے کے اور سمجھ نہیں آتا۔ سو جسے یہ روایت بطریق شہرت ملی اگرچہ واقعہ کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ گزر چکا کہ واقعات کے لیے فقط شہرت کافی ہوتی ہے۔

سو جس نے اس روایت کو درست سمجھا تو اس نے اسے قابلِ اعتناء شمار کرتے ہوئے نقل کر لیا، اور جس نے اس روایت کو سنداً ضعیف پایا اس نے ضعیف ہونے کا حکم لگایا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ محدثین کی اصطلاح میں مطلقاً ضعیف سے مراد موضوع کے علاوہ ایسی روایت ہوتی ہے جسے فضائل و مناقب اور اعمال میں حجت مانا اور سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ مثال ابھی ابھی گزری۔

ایسی روایت مراد ہر گز نہیں ہوتی جو اقوال صحیحہ، معتمدہ اور شواہد کے خلاف ہو کیونکہ ضعیف کی تعریف میں کسی معتمد علیہ محدّث نے ایسا معنیٰ بیان نہیں فرمایا۔ اصولِ حدیث کی بیسیوں کتب میں یہ معنیٰ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج ۴ ص ۲۸، رقم الحدیث: ۱۵۵۴، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی پشاور

[۲] مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج ۲ ص ۳۸۵، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، اردو بازار، لاہور

''لا یعرف ذلك لغیرہ'' کا معنیٰ

لہٰذا ''لا یعرف ذٰلك لغیرہ'' ایسے الفاظ کا معنیٰ واضح ہو گیا کہ حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ایسی سند مشہور کو پہچانا نہیں گیا۔ یا ایسی سند مشہور کے ساتھ کسی اور کے لیے ولادت ثابت نہیں یا ایسی سند مشہور کے ساتھ کسی اور کے لیے یہ اتفاق نہیں ہوا۔

اس بارے ملا علی قاری کی وضاحت

اسی بات کی طرف ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اشارہ فرمایا:

''(و حکیم ابن حزام) بکسر الحاء و بالزای ولد فی الکعبة قبل سنة عام الفیل بثلاث عشر ولا یعرف احد ولد فی الکعبة غیرہ علی الاشھر و فی مستدرك الحاکم ان علی ابن أبی طالب کرم اللہ وجھه ولد ایضا فی داخل الکعبة''۔

ترجمہ: یعنی حکیم ابن حزام کعبہ میں عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے آپ کے علاوہ کسی اور کا مولودِ کعبہ ہونا روایت مشہورہ کے مطابق نہیں پہچانا گیا اور مستدرک حاکم میں ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی کعبہ میں پیدا ہوئے۔ [1]

چونکہ یہ الفاظ محدثین نے ارشاد فرمائے ہیں اس واسطے ان الفاظ کے ساتھ ہمیں سنداً روایت کا حکم ضعیف کی صورت میں ملتا ہے۔ سو جس نے ایسے الفاظ ارشاد فرمائے اور حکم ضعف ان سے نہ مل سکا تو باعتبارِ سند اور دعویٰ کے شخصیت کے مطابق پرکھا جائے گا۔

کسی باسند روایت میں مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے مولود کعبہ ہونے کی نفی نہیں ہے

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ذکر کردہ الفاظِ جرح میں سے کوئی لفظ بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کی روایت کو بے سند ثابت نہیں کرتا بلکہ یہ الفاظ کسی خاص سند

[1] شرح الشفاء، ج ۱ ص ۳۲۸، علی ھامش نسیم الریاض، مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ

کے اعتبار سے ضعفِ روایت پر دلالت کرتے ہیں جو تاریخی واقعہ میں حجت وسند باقی ہیں اور یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ کسی باسند روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کی نفی موجود نہیں ہے۔ لہٰذا عدمِ ذکر، ذکرِ عدم کو مستلزم نہیں۔

نتیجہ مبحث

یہاں تک ہمارے سامنے دو قسم کی آراء آتی ہیں:

(۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ کی روایت امام احاکم وامام ذہبی کی رائے کے مطابق ''تواتر اخبار'' کے دعویٰ کے مطابق صحیح ودرست ہے۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ کی روایت ضعیف ہے۔

تلقی بالقبول حدیث ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچا دیتی ہے

پہلی رائے کے مطابق حکم تو بالکل واضح ہے۔ جبکہ دوسری رائے کے مطابق ہماری گزشتہ تحریر میں اس بارے کافی وضاحت آگئی کہ ضعیف روایت فضائل ومناقب میں معتبر ہوتی ہے۔ اور اس بارے جو اشکالات ممکنہ تھے ان کا حل بھی بیان کر دیا گیا۔ جس سے ضعیف روایت کا فضائل ومناقب میں حجت ہونا سمجھ لیا گیا۔ اب اس سے اگلی بات سمجھیں کہ روایت جب ضعیف ہو تو ''تلقی بالقبول'' سے درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت عظیم المرتبت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں اس بارے تحقیق کرتے ہوئے علمائے اعلام کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ ''افادہ پانزدہم (اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کر لینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے۔ اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ میں ہے:

''رواہ الترمذی و قال هذا حديث غريب والعمل على هذا عند اهل العلم قال النووی و اسناده ضعيف نقله ميرك. فكان الترمذی يريد تقوية الحديث بعمل اهل العلم والعلم عند الله تعالى كما قال الشيخ محی الدين ابن العربی انه بلغنی عن النبی ﷺ انه من قال لا اله

الا اللہ سبعین الفا، غفر اللہ تعالیٰ لہ، و من قیل لہ غفر لہ ایضًا فکنت، ذکرت التھلیلۃ بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص، فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیھم شاب مشھور بالکشف فاذا ھو فی اثناء الاکل اظھر البکاء، فسالتہ عن السبب فقال أری امی فی العذاب فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلۃ المذکورۃ لھا فضحك و قال انی اراھا الاٰن فی حسن الماٰب فقال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ و صحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث۔ "باب ما علی الماسوم من المتابعۃ اول الفضل الثانی"۔ ۱۲۔منہ

یعنی امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے۔ سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہلِ علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار "لا الہ الا اللہ" کہے، اس کی مغفرت ہو اور جس کے لیے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اس میں کسی کے لیے خاص نیت نہ کی تھی پھر اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک جوان کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے رونے لگا میں نے سبب پوچھا، کہا: اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا: اب میں اسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں، امام محی الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں: تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔ [1]

اس قانون کی حافظ سیوطی علیہ الرحمہ کے قلم سے وضاحت

امام سیوطی تعقبات میں امام بیہقی سے ناقل:

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۳ ص ۲۰۰، مطبوعہ المکتبۃ الحقانیہ، پشاور

"قد اولھا الصالحون بعضھم عن بعض و فی ذٰلك تقویۃ للحدیث المرفوع"۔

ترجمہ: اسے صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔ [1]

اسی میں فرمایا:

"باب الصلوٰۃ، حدیث من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر اخرجه الترمذی و قال حسین ضعفهٗ احمد وغیرہ والعمل علی ھذا الحدیث عند اھل العلم فاشار بذلك الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم و قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم به و ان لم یکن لهٗ اسناد و یعتمد علی مثله"۔

ترجمہ: باب الصلوٰۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر ہے جس میں یہ ہے کہ جس نے دو نمازیں بغیر عذر کے جمع کیں اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے، اور حسین نے کہا: احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث نے اہلِ علم کے قول کے ذریعے قوت حاصل کی ہے اور اس کی تصریح متعدد محدثین نے کی ہے۔

اور معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کے لیے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔ [2]

یہ ارشادِ علماء، احادیثِ احکام کے بارے میں ہے پھر احادیثِ فضائل تو احادیثِ

---

[1] باب الصلوٰۃ، حدیث صلوٰۃ التسبیح، ۱۲ منہ، التعقبات علی الموضوعات، باب الصلوٰۃ، ص ۱۳، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

[2] التعقبات علی الموضوعات، باب الصلوٰۃ، ص ۱۲، مطبوعہ مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

فضائل ہیں۔ [1]

ایسا ہی علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے مقدمہ صحیح البہاری میں فرمایا۔ [2]

مجہول روایت کی قبولیت، سلف صالحین کا روایت کو قبول کرنا ہے

اسی مفہوم کے قریب قریب شمس الائمۃ ابوبکر محمد بن احمد سرخسی علیہ الرحمہ نے اصول السرخسی میں فرمایا:

"وباعتبار انه لم تشتهر روايته فى السلف بتمكن تهمة الوهم فيه فيجوز العمل به اذا وافق القياس على وجه حسن الظن به ولكن لا يجب العمل به، لان الوجوب شرعًا لا يثبت بمثل هذا الطريق الضعيف (الى ان قال) فصار الحاصل ان الحكم فى رواية المشهور الذى لم يعرف بالفقه وجوب العمل وحمل روايته على الصدق الا ان يمنع منه مانع وهو أن يكون مخالفًا للقياس و أن الحكم فى رواية المجهول أنه لا يكون حجة للعمل الا أن يتأيّد بمؤيد وهو قبول السلف أو بعضهم روايته، والله اعلم"۔

ترجمہ: یعنی اس اعتبار سے کہ اس کی روایت سلف صالحین میں مشہور نہیں تہمتِ وہم کے پائے جانے کی وجہ سے تو اس روایت پر عمل راوی پر حسنِ ظن رکھتے ہوئے اس وقت جائز ہے جب وہ قیاس کے موافق ہو، لیکن اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ وجوبِ شرعی اس ضعیف طریقے سے ثابت نہیں ہوتا، پھر ذرا آگے فرماتے ہیں: تو حاصلِ کلام یہ ہوا کہ غیر معقول مشہور روایت میں حکم عمل کا واجب ہونا ہے اور اس روایت کو صدق پر محمول کیا جائے گا۔ مگر یہ ہے کہ اس سے کوئی مانع روک دے اور وہ مانع روایت کا خلاف قیاس ہونا ہے اور مجہول کی روایت کے بارے حکم یہ ہے کہ وہ عمل کے لیے نہیں ہوتا مگر کوئی مؤید اس کی تائید کر دے اور وہ مؤید سلف صالحین کا روایت کو قبول کرنا ہے یا بعض دیگر

---

[1] فتاویٰ رضویہ، جلد: ۵، صفحہ: ۴۷۵ تا ۴۷۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، رضویہ لاہور

[2] مقدمہ صحیح البہاری، الفائدۃ السادسۃ، ص ۲۸، مطبوعہ دار اہل سنہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، کراچی

روایات کے ساتھ اس کی تائید ہو جائے۔ [1] واللہ اعلم

یہاں تک اجلہ فقہاء و محدثین کی وضاحت آ گئی کہ ''ضعیف روایت اور ایسی ضعیف روایت جس کی کوئی معتمد سند نہ ہو وہ بھی علماء کرام اور سلف صالحین کے قبول کرنے سے مقبول و معتمد ہو جاتی ہے اور ضعیف روایت جب موافقِ قیاس ہو تب بھی عمل میں بہتر اور فضائل میں بطریق اولیٰ قابلِ اعتماد ہے۔

تلقی بالقبول سے ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی

اسی بات کی نشاندہی کرتے ہوئے فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

بالجملہ وہ تلقیِ امت بالقبول کا منصبِ جلیل پائے ہوئے ہے تو بلاشبہہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے تلقیِ علماء بالقبول وہ شئ عظیم ہے جس کے بعد ملاحظۂ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔ [2]

اسی طرح علامہ ابن ھمام علیہ الرحمہ نے فتح القدیر میں رقم فرمایا۔ [3]

مستند ماخذ دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے

گزشتہ تمام امور کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونے کا واقعہ روایت مستدرک کے اعتبار سے مستند ہے جیسا کہ اس کا مزید بیان عنقریب آتا ہے تاہم اس تاریخی واقعہ کا وجود اپنے معیار کے اعتبار سے مستند ہے اسی لیے تو کبار محدثین عظام نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتب میں رقم فرمایا جو اس کے مستند ماخذ ہونے پر دلیل ہے۔ اور مستند ماخذ، دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔ چنانچہ استاذی و استاذ العلماء شرف ملت حضرت علامہ و مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ ''مقالات سیرتِ طیبہ'' میں رقم طراز ہیں:

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی علیہ الرحمہ دسویں صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ لازمی امر ہے

---

[1] اصول السرخسی، الجزء الاول، ص ۳۵۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

[2] فتاویٰ رضویہ، ج ۳۰ ص ۶۵۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

[3] فتح القدیر، ج ۱ ص ۱۹، ۱۶۵، ۴۳۸، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

کہ انہوں نے مذکورہ بالا احادیث صحابہ کرام سے نہیں سنیں، لہٰذا وہ سند معلوم ہونی چاہیے جس کی بنا پر احادیث روایت کی گئی ہیں، خواہ وہ سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو یا ان روایات کا کوئی مستند ماخذ ملنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اسناد دین سے ہیں اگر سند نہ ہوتی تو جس کے دل میں جو آتا ہے کہہ دیتا۔ [1]

مذکورہ بالا مقالہ کی عبارت میں یہ عبارت نہایت قابلِ توجہ ہے کہ خواہ وہ سند ضعیف ہی کیوں نہ ہو یا ان روایات کا کوئی مستند ماخذ ملنا چاہیے۔ ان دو باتوں کو تقابلاً ذکر کرنا پہلی بات میں سندِ ضعیف کے وجود کی اور دوسری بات میں صرف مستند ماخذ کی اطلاع دیتا ہے۔ قبلہ استاذ جی علیہ الرحمہ کی کمالِ دیانت ہے کہ علامہ ابن حجر ہیتمی علیہ الرحمہ کی طرف منسوب رسالہ پر جرح کرنے کے باوجود بھی احتیاطی الفاظ کو مقالہ طیبہ میں محفوظ رکھا۔ اور مقامِ جرح میں یک طرفہ گفتگو بیان نہیں فرمائی۔

علماء امت کا کسی حدیث کو قبول کرنا مفید یقین ہے

اسی مفہوم کے پیشِ نظر مصنف عبدالرزاق کی جزء مفقود کی تقدیم میں قبلہ استاذ محترم علیہ الرحمہ نے درج ذیل بابرکت کلمات ارشاد فرمائے: اور انہی الفاظ کو عقائد و معمولات میں بھی بیان فرمایا۔

دوسرا اعتراض

احسان الٰہی ظہیر نے لکھا ہے:

یہ کس نے کہا ہے کہ امت کا کسی حدیث کو قبول کر لینا اسے اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے کہ اس کی سند کی طرف نظر نہیں کی جائے گی۔ [2]

جواب

آیئے آپ کو دکھائیں کہ علماء امت کے کسی حدیث کو قبول کرنے کا کیا مقام ہے؟

---

[1] مسلم شریف، ج ۱ ص ۱۲، مقالاتِ سیرتِ طیبہ، محافل میلاد اور غیر مستند روایات، ص ۱۶۱، مکتبہ قادریہ لاہور، اشاعت سوم، ۱۴۲۶ھ

[2] البریلویہ، ص ۱۰۳

(۱) عمدۃ المحدثین حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حدیث خبر واحد ہونے کے باوجود یقین کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس میں صحت کے کئی قرائن پائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک قرینہ یہ ہے کہ علماء امت نے ان کی کتابوں کو قبول کیا ہے اس گفتگو کے بعد علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

"وھذا التلقی وحدہ أقوی فی افادۃ العلم من مجرد کثرۃ الطرق القاصرۃ عن التواتر"۔[1]

یقین کے لیے تواتر سے کم درجہ کثرتِ طرق کے مقابلے میں علماءِ امت کا قبول کرنا زیادہ مفید ہے۔

غور فرمایا آپ نے؟ مطلب یہ ہے کہ کسی حدیث کی سندوں کی کثرت (جبکہ تواتر سے کم ہو) اس قدر مفید یقین نہیں جس قدر علماء امت کا کسی حدیث کو قبول کر لینا مفید یقین ہے۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے ایک شخص نماز کو حاضر ہو اور امام ایک حال میں ہو تو مقتدی اسی حال کو اختیار کرے۔

امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے اس حدیث کو کسی دوسری سند سے روایت کیا ہو۔ اس کے باوجود امام ترمذی نے فرمایا:

"والعمل علی ھذا عند اھل العلم"۔

ترجمہ: اہلِ علم کے نزدیک اس پر عمل ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"فکانّ الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم"۔[2]

---

[1] نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، صفحہ ۲۴۔۲۵، طبع، ملتان

[2] مرقاۃ المفاتیح، ج ۳ ص ۹۸، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، ملتان

گویا امام ترمذی اہلِ علم کے عمل کے ذریعے اس حدیث کو تقویت دینا چاہتے ہیں۔ [1]

قبلہ استاد جی علیہ الرحمہ کے بیان ذیشان اور دلائل باہرہ سے ثابت ہو گیا کہ اہلِ علم کا کسی حدیث پر عمل اسے تقویت دیتا ہے اور یہ تقویت اسے کثیر اسناد سے حاصل نہیں ہوتی۔ سو واضح ہو گیا کہ اہلِ علم کا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مولودِ کعبہ ہونا اپنی کتب میں بیان کرنا، مستند ماخذ میں اس روایت کا ذکر کرنا ہے اور اہلِ علم کا یہ عمل اس واقعہ کو وہ تقویت دیتا ہے جو محض اسناد سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ حدِ تواتر سے کم درجہ کی اسناد ہوں۔

بے توجہی یا تعصب پر مبنی ایک جملہ

ایسے مقام پر جو بعض لوگ بے توجہی میں کہہ دیتے ہیں کہ جنہوں نے ماخذ بیان کیا ہے وہ یا تو شیعوں کی کتب ہیں یا ایسے مائل بہ تشیع حضرات کی جنہوں نے بہت ساری شیعی روایات کو بغیر تحقیق و تنقیح کے نقل کر دیا ہے جیسے امام ذہبی، ملا علی قاری اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ نے مستدرک حاکم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

کیا امام ذہبی اور ملا علی قاری علیہما الرحمہ جیسے ناقد محدث اور شاہ ولی اللہ صاحب جیسا مضبوط قلم کار بغیر تحقیق و تنقیح کے شیعی روایات نقل کرتے رہے؟ استاد شرف صاحب علیہ الرحمہ ایسی شخصیات کا یہ کمال تھا کہ مقامِ جرح میں توجہ دوسری جانب بھی رکھتے تھے جیسا کہ آپ کی اکثر تقریظات اور تبصروں میں یہ مفہوم واضح ہے۔ اور ایک جانب ہی توجہ رکھ کر قلم چلاتے رہنا اور دوسرے پہلو کا خیال نہ کرنا یہ بے توجہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ یا تعصب کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان دونوں سے بچنے کی توفیق دے۔

سند کے مقابلہ میں مسلمہ شخصیات کا اعتبار

اگر شخصیات کا سرے سے اعتبار ہی نہ ہوتا اور صرف اسناد ہی کا لحاظ ہوتا تو ہمارے فقہاء کرام سند کے مقابلہ میں کبھی شخصیت کا لحاظ نہ کرتے جبکہ ایسے مقام میں شخصیت کا لحاظ

[1] تقدیم بر مصنف عبدالرزاق، جزء مفقود، ص ۱۵۳۔۱۵۴، مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور

رکھنا ثابت ہے۔ مثلاً ہدایہ شریف میں ''فصل فی القرأۃ'' میں ایک حدیث ''صلٰوۃ النھار عجماء'' پر گفتگو کرتے ہوئے بہت کلام کیا گیا کہ آیا یہ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر یہ حدیث نہیں تو اس سے آگے صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ کا ''والحجۃ علیہ ما رویناہ'' کا کوئی مفہوم نہیں بنتا۔ اگر یہ حدیث ہے تو اس کی سند موجود نہیں۔ اب یہ مسئلہ احکام سے متعلق ہے جس میں حدیث کا سنداً ضعیف ہونا تو درکنار سند ہی موجود نہیں لیکن اس کے باوجود ہمارے محققین فقہاء کرام نے اسے حدیث کے درجہ میں رکھا ہے۔ اور دلیلِ حدیث، شخصیت کو قرار دیا۔

امام اکمل الدین بابرتی کی وضاحت

چنانچہ اکمل الدین محمد بن محمود بن احمد البابرتی علیہ الرحمہ ''عنایہ شرح ہدایہ'' میں رقمطراز ہیں:

''و أورد علیه بأنه لیس بحدیث و انما هو من کلام الحسن البصری ذکره فی الغریبین والفائق للزمخشری و لئن سلم فهو عام مخصوص خص منه الجمعة والعیدین فیجوز تخصیصه بالقیاس علی الجمعة و أجیب بأن أصحابنا ملأوا کتبهم به و نقلوا أن ابن عباس کان یفسره بعدم القرأة کما تقدم ولیسوا من أهل الأهواء والبدع ولولا أنه ثبت عندهم اسناده لما فعلوا ذلك''۔

ترجمہ: (صاحب ہدایہ علیہ الرحمہ کے قول: ''والحجۃ علیہ ما رویناہ'') پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے یہ تو صرف خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کے کلام سے ہے جس کا ذکر غریبین میں اور زمخشری کی فائق میں ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو یہ ایسا عام ہوگا جس سے جمعہ اور عیدین کو خاص کیا گیا ہے لہٰذا جمعہ پر قیاس کرتے ہوئے اس کی تخصیص کرنا جائز ہے (اس اعتراض کا یہ) جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے اصحاب احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی کتب کو اس حدیث کے ساتھ بھرا ہے اور انہوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس حدیث کی وضاحت ''عدم قراءت''

سے فرماتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور ہمارے اصحاب احناف علیہم الرحمۃ اہلِ اہواء اور بدع نہ تھے۔ اور اگر ان کے نزدیک اس حدیث کی سند ثابت نہ ہوتی تو وہ اس طرح نہ کرتے۔ [1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی علیہ الرحمہ کی وضاحت

اسی طرح عمدۃ المحدثین امام الناقدین شیخ بدرالدین ابومحمد محمود ابن احمد عینی علیہ الرحمہ ''البنایہ فی شرح الہدایہ'' میں رقمطراز ہیں:

''وانما استدل به اصحابنا لان الحسن لما کان من القرن الأول و ممن أدرك اکابر الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم جعلوا کلامهٗ کالمسموع من الرسول علیه الصلوٰة والسلام''۔

ترجمہ: ہمارے اصحاب نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کیونکہ خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ جب قرنِ اول سے تعلق رکھنے والے ہیں اور ان میں سے ہیں جنہوں نے اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پایا تو ہمارے اصحاب علیہم الرحمہ نے خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کے کلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہوا بنا دیا۔ [2]

ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) احناف علیہم الرحمہ کا بلا سند کسی روایت کو ذکر کرنا بغیر وجود کے نہیں ہوتا بلکہ ان اکابر کا اپنی کتب میں نقل کرنا ماخذ کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وضاحت پر بھی کوئی سند اگرچہ نہیں لیکن یہ وضاحت اور روایت کتبِ اکابر میں منقول ہونے کی وجہ سے معتبر ہے۔

(۳) خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی شخصیت چونکہ مستند ہے لہٰذا ان کی بلا سند روایت بھی مقبول ہوگی۔

(۴) خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی چونکہ بلا سند روایت مقبول ہے۔ تو اصحابِ احناف کا

---

[1] عنایہ علی ہامش فتح القدیر، ج۱ ص ۳۳۵، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

[2] البنایہ فی شرح الہدایہ، ج۲ ص ۳۴۰، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، ملتان

ان کی روایت کو بلا سند اپنی کتب میں رکھنا بھی قابلِ قبول ہے۔ اور ان کا کلام ایسے ہی ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے سنا ہے۔

(۵) اگر کوئی محدث اہلِ ہوا اور بدعتی نہ ہو تو اس محدث کا فعل معتبر ہوتا ہے۔

(۶) اصحابِ احناف کے نزدیک اگر سندِ حدیث ثابت نہ ہوتی تو اپنی اپنی کتب میں اس روایت کو نقل نہ فرماتے۔ ان کا نقل فرمانا سندِ حدیث کے وجود کی دلیل ہے۔

ان امور کی روشنی میں یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ امام حاکم علیہ الرحمہ کا عقیدہ تحقیق شدہ قول کے مطابق اشعری ہے اور آپ مذہباً شافعی ہیں (جیسا کہ پیچھے بیان ہوا) پھر درجۂ ''حاکم'' پر فائز ہونا صدوق وثقہ ہونے میں مزید تقویت پیدا کرتا ہے اس کے علاوہ آپ اہلِ ہوا و بدعت بھی نہیں ہیں تو لامحالہ آپ کی شخصیت معتبر اور قول آپ کا مستند ٹھہرا، پھر آپ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کی روایت کو جلیل القدر ائمہ حدیث کا نقل کرنا اور مستند مؤرخین کا اپنی کتب میں رقم کرنا بھی بلا سند روایت کو قبول کرنے میں مزید معاون ثابت ہوتا ہے۔ پھر بھی یہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کے لیے بہت قوی دلیل نہ بھی ہو تب بھی یہ تاریخی واقعہ تاریخی حیثیت کے مطابق کتبِ تاریخ میں نقل ہو جانے سے مستند و معتبر ہو جائے گا۔

اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ خواجہ حسن بصری علیہ الرحمہ کی بلا سند روایت اگر مطلقاً مقبول ہوتی تو کسی قسم کا اس بارے اختلاف واقع نہ ہوتا جبکہ جرح ونقد اس پر واقع ہے۔ سو تابعی ہونا علیٰحدہ امر ہے۔ روایتِ حدیث میں سند کے عدمِ ذکر کو فقہاءِ کرام نے تسلیم کرنے کے بعد کتبِ احناف میں نقل کرنے کو مستند ماخذ بنایا ہے جس بنا پر اس روایت کو معتبر ٹھہرایا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ فضائل سے نہیں، احکام سے متعلق ہے۔

مستند شخصیات نے مولی علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو مولود کعبہ ہونا ذکر کیا

اب ہم دیکھتے ہیں کہ روایتِ مستدرک کو علماء و محدثین نے اپنی کتب میں مفہومِ

روایت کے پیشِ نظر بلا جرح ونقد بیان فرمایا۔ چنانچہ (۱) امام حاکم، (۲) حافظ شمس الدین ذہبی اور (۳) ملا علی قاری علیہم الرحمہ کی وضاحت تو آچکی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا مولیٰ علی المرتضیٰ کو مولود کعبہ ہونا ذکر کرنا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ "مدارج النبوت" میں رقمطراز ہیں:

"وگفته اند که بود ولادت وی در جوف کعبه"۔

ترجمہ: اور مؤرخین نے کہا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کعبہ کے اندر ہوئی۔ [1]

شیخ محقق علیہ الرحمہ نے اس بات کو بیان فرما کر کسی قسم کی جرح نہیں فرمائی، جو کہ علامت قبول ہے کیونکہ مقامِ بیان میں سکوت بیان ہوتا ہے۔

"گفتہ اند" اور "گفتہ شدہ اند" میں فرق ہے

فارسی دان علماء کرام اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ "گفتہ اند" ماضی قریب معروف کا صیغہ ہے جس کا عربی میں ترجمہ "قد قالوا" آتا ہے۔ اس صیغہ سے ضعف کا اشارہ نہیں ملتا۔ ہاں اگر "گفتہ شدہ اند" ہوتا جس کا عربی میں ترجمہ "قد قیلوا" آتا ہے تو ضعف کی طرف اشارہ ملتا، بلکہ ماضی قریب معروف سے آنے والی روایات میں تو ثقاہت کا اشارہ مل رہا ہے اور جو احباب شیخ محقق علیہ الرحمہ کے انداز سے واقفیت رکھتے ہیں وہ بہ خوبی سمجھتے ہیں کہ آپ "اشعۃ اللمعات" میں "گفتہ اند" کا صیغہ کسی ضعیف قول کے لیے استعمال نہیں فرماتے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا "ازالۃ الخفاء" میں بیان

اسی طرح شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ "ازالۃ الخفاء" میں رقمطراز ہیں:

"از مناقب وے رضی الله تعالی که در حین ولادت او را ظاهر شد،

---

[1] مدارج النبوۃ، ج ۲ ص ۵۳۱، مطبوعہ النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور

یکی آن ست کہ در جوف کعبہ معظمہ تولد یافت...''۔

''قال الحاکم قد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت امیر المومنین علیًا فی جوف الکعبة''۔

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے ایک یہ ہے جو آپ کی ولادت کے وقت ظاہر ہوا کہ آپ کی پیدائش کعبہ کے اندر ہوئی۔

امام حاکم نے فرمایا کہ تواتر اخبار اس بات پر ہیں کہ فاطمہ بنت اسد نے امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کعبہ میں جنم دیا۔ [1]

علامہ حلبی کا بیان

قابلِ قدر سیرت نگار مستند محدث علامہ نور الدین علی بن برہان الدین حلبی شافعی المتوفی ۱۰۴۴ھ سیرت حلبیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''لان علیًا کان صغیرًا لم یبلغ سبع سنین لانه ولد فی الکعبة و عمرہ ﷺ ثلاثون سنة فاکثر''۔

ترجمہ: جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عمر مبارک ۳۰ سال یا کچھ زیادہ تھی۔ [2]

امام کحلانی کا بیان

محدّث کبیر صاحب ''سبل السلام شرح بلوغ المرام'' امام محمد بن اسماعیل الکحلانی الصنعانی المتوفی ۱۱۸۲ھ اپنی تصنیف ''الروضة الندیہ'' میں لکھتے ہیں:

''اما مولدہ کرم اللہ وجهه فولد بمکة المشرفة فی البیت الحرام سنة ثلاثین من عام الفیل فی یوم الجمعة الثالث عشر من رجب و امه فاطمة بنت اسد بن هاشم''۔

---

[1] ازالۃ الخفاء، ج ۴ ص ۴۰۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

[2] سیرت حلبیہ، ج ۱ ص ۲۰۲، باب تزوجہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خدیجہ بنت خویلد...... الخ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش مکہ مکرمہ میں خانۂ کعبہ شریف کے اندر ۱۳ رجب کو عام الفیل کے تیسویں سال ہوئی آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہیں۔[1]

استاد عباس محمود عقاد کا بیان

مشہور سیرت نگار استاد عباس محمود عقاد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش کو خانۂ کعبہ کی عظمت و شوکت کی تجدید اور خدائے واحد کی پرستش کے دور جدید سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

''ولد علی رضی اللہ عنہ فی داخل الکعبۃ و کرم اللہ وجھہ عن السجود لا صنامھا فکانما کان میلادہ ثمۃ ایذانا بعھد جدید الکعبۃ و للعبادۃ فیھا''۔

ترجمہ: علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے چہرے کو بتانِ کعبہ کے آگے جھکنے سے بلند تر رکھا گویا اس مقام پر ان کی پیدائش کعبہ کے نئے دور کا آغاز اور خدائے واحد کی عبادت کا اعلان عام تھا۔[2]

علامہ شبلنجی مصری کا بیان

علامہ شیخ حسن بن مومن شبلنجی مصری رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''نور الابصار فی مناقب آلِ بیت النبی المختار'' میں لکھتے ہیں:

''ابن عم الرسول و سیف اللہ المسلول ولد رضی اللہ عنہ بمکۃ داخل البیت الحرام علی قول یوم الجمعۃ ثالث عشر المحرم رجب سنۃ ثلاثین عام الفیل ولم یولد فی البیت الحرام قبلہ احد سواہ قالہ ابن الصباغ''۔

---

[1] الروضۃ الندیہ، ص ۵، مطبع انصاری، دہلی

[2] ازالۃ الخفاء، ج ۴ ص ۴۰۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی اور تلوار، بے نیام ہیں آپ عام الفیل کے تیسویں سال جمعۃ المبارک کے دن ۱۳ رجب کو خانۂ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے اور اس سے پہلے آپ کے علاوہ کعبہ میں کسی کی ولادت نہیں ہوئی۔ [۱]

نوٹ: واضح ہو کہ شیخ شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت و جماعت کے عظیم محقق بلند پایہ مفسر بالغ نظر فقیہ اور نامور مؤرخ ہیں۔ آپ کی اس عظیم تصنیف نور الابصار کا ترجمہ شارح بخاری استاذ العلماء والمحدثین شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول رضوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو تنویر الازہار کے نام سے شائع ہوا ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ کا بیان

عاشق خیر الانام عارف باللہ علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ شواہد النبوت میں فرماتے ہیں:

"وبعضے گفتہ اند ولادت وے در خانۂ کعبہ بودہ است"۔

اور بقول بعض آپ کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی۔ [۲]

شاہ ولی اللہ کا "قرۃ العینین" میں بیان

حضرت امام المحدثین شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "قرۃ العینین" میں بھی مولا کائنات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت در خانہ کعبہ کا ذکر فرمایا۔ لکھتے ہیں:

"فضائل او بسیار است و مناقب او بے شمار أول ہاشمی است کہ او را ہاشمیہ بزاد و تولد او در خانہ کعبہ بود و ایں فضیلتے است کہ پیش از وے باں متصف نہ بود"۔

ترجمہ: آپ کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں آپ پہلے ہاشمی ہیں

---

[۱] نور الابصار فی مناقب آلِ بیت نبی المختار، ص ۱۸۳، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت

[۲] شواہد النبوت، ذکر علی بن ابی طالب، رکن سادس، در بیان شواہد و دلائل، ص ۱۶۰، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنو، علم آباد، ۱۲۹۳ھ، بار اول

جن کی والدہ ماجدہ بھی ہاشمیہ ہیں آپ کی پیدائش خانۂ کعبہ میں ہوئی اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو آپ سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ [1]

علامہ عبدالرحمٰن چشتی کا بیان

گیارہویں صدی ہجری کے عظیم مؤرخ اور تذکرہ نگار شیخ عبدالرحمٰن چشتی قدس سرہٗ تصوف کی ہزار سالہ تاریخ پر مشتمل اپنی عظیم تحقیقی تصنیف ''مراۃ الاسرار'' میں مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ کا ذکر مبارک یوں کرتے ہیں:

اس عاقبت محمود کی جائے ولادت خانہ کعبہ ہے یہ سعادت ازل سے ابد تک کسی فرد بشر کو نصیب نہیں ہوئی۔ [2]

شہزادہ داراشکوہ کا بیان

برصغیر کے مشہور مؤرخ شہزادہ داراشکوہ رحمۃ اللہ علیہ ''سفینۃ الاولیاء'' میں لکھتے ہیں:

''وبعضے گفتہ اند کہ ولادت ایشاں در خانہ کعبہ بودہ''۔

ترجمہ: بعض کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش ہوئی۔ [3]

شیخ عبدالرحمٰن صفوری علیہ الرحمہ کا بیان

نزہۃ المجالس میں شیخ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ کی پیدائش خانۂ کعبہ میں ہوئی۔ [4]

شیخ صدرالدین حنفی کا بیان

حضرت الشیخ صدرالدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''روائح المصطفیٰ'' میں فرماتے

---

[1] قرۃ العینین بتفضیل الشیخین، ص ۱۳۸، مطبوعہ دہلی

[2] مراۃ الاسرار (مترجم)، ص ۱۷۸، مطبوعہ الفیصل، لاہور

[3] سفینۃ الاولیاء، ذکر حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، ص ۲۲، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنو، علم آباد

[4] نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، باب مناقب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ج ۲ ص ۵۵۳، مطبوعہ دارالجیل، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

ہیں: امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ [۱]

شیخ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ کا بیان

خلیفۂ مجدد الف ثانی کاشفِ حقائق شیخ بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف حضرات القدس میں رقم طراز ہیں:

آپ کی ولادت خانہ کعبہ میں جمعہ کے دن تیرھویں یا ساتویں شعبان کو ہوئی۔ [۲]

خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ کا بیان

شیخ المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے حالات و کرامات و ملفوظات پر مشتمل تاریخی تذکرہ ''نظامی بنسری'' المعروف ''تاریخ الاولیاء'' میں سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے جلیل القدر شیخ خواجہ سید محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ مبارک ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کو بچپن سے گود میں لیے پھرتے تھے۔ [۳]

علامہ سید محمود احمد رضوی علیہ الرحمہ کا بیان

شارح بخاری استاذ العلماء فخر اہل سنت علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف ''شانِ صحابہ'' میں لکھتے ہیں:

حضرت علی شیر خدا کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی۔ [۴]

علامہ رومی علیہ الرحمہ کا بیان

ڈاکٹر سہیل بخاری نے اپنی کتاب ''اقبال اور اہلِ صفا'' میں بہت سے اولیاء کرام کے کلام کو جمع کیا ہے۔ اسی کتاب میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مولا علی کرم اللہ

---

[۱] روائح المصطفیٰ، ص ۱۰، مطبوعہ طبع احمدی، کانپور

[۲] حضرات القدس، ص ۸۳، مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ، لاہور

[۳] نظامی بنسری، از خواجہ حسن نظامی، ص ۴۳، مطبوعہ زاویہ پبلشرز، لاہور

[۴] شانِ صحابہ، ص ۱۳۵، مطبوعہ رضوان کتب خانہ، لاہور

وجہہ کی شان میں ایک منقبت پیش کی ہے جس میں عالم اسرار خفی و جلی اللہ کے کامل ولی، امت مسلمہ کے مقتدر مذہبی پیشوا مفتیِ عشق علامہ جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اے شحنۂ دشتِ نجف از تو نجف دیده شرف

تو درے و کعبه صدف مرداں سلامت می کنند

ترجمہ: اے دشت نجف کے محافظ! آپ کے وسیلے سے نجف نے قدر و منزلت پائی ہے۔ آپ موتی ہیں اور کعبہ سیپی ہے۔ جیسے موتی سیپی کے پیٹ سے نکلتا ہے آپ کعبہ سے نمودار ہوئے مردانِ خدا آپ کی عظمت کو سلام پیش کرتے ہیں۔ [1]

اسی کتاب میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت بھی موجود ہے۔ آپ شانِ علی بیان کرتے ہیں:

امام دین کسے باشد که در وقت ولادت او

بود در کعبه و کعبه ز کعبش در صفا باشد

ترجمہ: علی کرم اللہ وجہہ دین کے وہ امام ہیں کہ آپ کی ولادت خانۂ کعبہ میں ہوئی اور آپ کی وجہ سے ہی خانۂ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا گیا۔ [2]

مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کا بیان

حکیم الامت فاضل گجراتی مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ "منبعِ ولایت" سے اپنی عقیدت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے عابد و زاہد کہ پیدائش بھی ہوئی تو خانہ کعبہ میں ہوئی۔ ہم نے عرض کیا:

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت

بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

بنا اس واسطے اللہ کا گھر جائے پیدائش

---

[1] اقبال اور اہلِ صفا، ص ۱۳۴، نفیس اکیڈمی، کراچی

[2] اقبال اور اہلِ صفا

کہ وہ اسلام کا کعبہ تھا یہ ایمان کا کعبہ

آپ شریعت وطریقت کا مجمع، اولیاء اللہ کو ولایت تقسیم فرمانے والے ہیں، آپ ہی نسل مصطفیٰ علیہ السلام کے نخل کی اصل ہیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کے گھر میں اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دولت خانہ میں پرورش پائی، سارے اولیاء اللہ انہی کے دروازے سے فیض لینے والے ہیں، اسی لیے اولیاء اللہ حضرت علی کے دلدادہ اور آپ پر شیدا ہوتے ہیں، کہ ولایت کا ٹکڑا انہی کے ہاتھوں سے پاتے ہیں۔ ہر چیز اپنے محسن پر فدا ہوتی ہے۔ [1]

ضروری وضاحت

مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ نے آپ کے فضائل ومناقب میں اگر کسی اور جگہ مولود کعبہ ہونا ذکر نہیں کیا تو یہ اس صراحت سے رجوع نہیں ہے کیونکہ رجوع اور نسخ اس وقت ہوتا ہے جب دو باتوں میں تعارض پیدا ہو "کما مصرح فی الاصول"۔ [2]

اور مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے اپنے سفرنامے میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کے حوالے سے جو رقم فرمایا وہ محتمل ہے اور محتمل دلیل سے متعین ہوتا ہے۔ شان حبیب الرحمٰن میں اس کی صراحت، تعیین پر واضح دلیل ہے۔ پھر ہم نے آئندہ صفحات میں حضرت مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت میں مختلف اقوال میں تاویل کے ذریعے تطبیق وموافقت پیدا کر کے اس احتمال کا محمل "مولدِ عرفی" قرار دیا ہے۔ جبکہ "مولدِ حقیقی" وہ صرف کعبہ ہی ہے جیسا کہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے گزشتہ کلام میں "شانِ حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے حوالے سے صراحۃً عقیدت کے پھول نچھاور فرمائے۔

اور یہ واضح اور بدیہی امر ہے کہ صراحت کو احتمال پر فوقیت حاصل ہے۔ "وثبت من الثقات أن الصريح فوق الدلالة۔ تامل"۔

---

[1] شانِ حبیب الرحمٰن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص ۲۳۴، مطبوعہ قادری پبلشرز، لاہور

[2] فتح القدیر، ج ۲ ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر

استاذ الکل کا بیان

استاذ الکل جامع المعقول والمنقول، ملک المدرسین، حاوی الاصول و الفروع، حضرت علامہ ومولانا عطاء محمد بندیالوی چشتی گولڑوی علیہ الرحمہ ''مسئلہ نور'' پر گفتگو کرتے ہوئے مدارج النبوۃ سے شیخ محقق علیہ الرحمہ کی ایک عبارت نقل فرمانے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے زمان اور مکان کو شرافت حاصل ہوئی ہے اس لیے آپ کی ولادت مبارک پیر کے دن کو ہوئی تا کہ سوموار کو آپ کی ولادت کی وجہ سے شرف حاصل ہو۔ اگر ولادت مبارکہ جمعہ کے دن ہوتی تو یہ وہم پڑتا کہ شاید جمعہ کی شرافت کی وجہ سے آپ کو بزرگی حاصل ہوئی ہے اس طرح فقہاء اور محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ قبر مبارک کی وہ مٹی جو کہ آپ کے بدن مبارک سے لگی ہوئی ہے اس کا رتبہ کعبہ شریف سے زیادہ ہے۔ آپ کے سوا دوسرے مقبولان بارگاہ ایزدی کو زمان اور مکان سے شرافت حاصل ہوتی ہے چنانکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش جمعہ کو اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادۃ دسویں محرم الحرام کو ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کعبہ شریف میں ہوئی تا کہ زمان اور مکان کی شرافت سے ان حضرات کو بزرگی عطا ہو۔ [1]

شرفِ ملت علیہ الرحمہ کا بیان

شرف ملت استاذ العلماء واستاذی علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری لاہوری برکاتی علیہ الرحمہ شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور معروف کتاب ''بدائع منظوم'' کے حاشیہ میں شعر:

بعد ازاں حامل لوائے نبی — شاہِ مردان حق علی ولی

۔۔۔کے تحت فرماتے ہیں:

[1] ذکر عطاء فی حیات استاذ العلماء، ص ۱۰۸، مطبوعہ استاذ العلماء اکیڈمی، خوشاب

چوتھے خلیفہ منبع ولایت حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحسن اور ''ابوتراب'' ہے عام الفیل کے تیس سال بعد بیت اللہ شریف میں پیدا ہوئے۔ [۱]

علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ کا بیان

محقق عصر استاذ العلماء شیخ القرآن والحدیث شارح بخاری و مسلم ومفسر قرآن حضرت علامہ و مولانا غلام رسول سعیدی صاحب علیہ الرحمہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی

''مقالات سعیدی'' میں خلفاء راشدین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر مبارک ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

جو اگر روٹھ جائیں تو سرکار انہیں منانے آئیں، اور اسی عالم میں سرکار سے ابوتراب کا لقب پائیں، جس سے وہ ناراض ہو جائیں وہ سرکار کا معتوب اور جس سے وہ راضی ہو جائیں وہ سرکار کا محبوب ہو، اندھیری راتوں میں ساحل مراد تک پہنچنے کے لیے جہاں آسمان ہدایت کے ستاروں کے بغیر گزارہ نہیں وہاں ان کے سفینہ کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں۔ وہ پیدا ہوئے تو کعبہ میں، شہادت پائی تو مسجد میں۔ [۲]

اسی طرح نعمۃ الباری میں ہے۔ [۳]

مفتی منیب الرحمٰن حفظہ اللہ کا بیان

رؤیت ہلال کمیٹی آف پاکستان کے چیئرمین مفکر اسلام قائد ملت اسلامیہ محسن اہل سنت حضرت علامہ و مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ تفہیم المسائل میں رقمطراز ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام میں بے شمار فضائل ہیں، تمام اہلِ ایمان کی اُن سے انتہائی عقیدت اور محبت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارکہ کعبہ میں ہوئی، ایسی

---

[۱] بدائع منظوم، ص ۵، مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

[۲] مقالات سعیدی، ص ۲۱۲، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور

[۳] نعمۃ الباری، ج ۶ ص ۷۸۴، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور

روایات موجود ہیں اور یہ عہد جاہلیت یعنی زمانہ قبل از اسلام کا واقعہ ہے اس میں آپ کا تفرد نہیں ہے بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ حکیم ابن حزام کی ولادت بھی کعبہ میں ہوئی۔ [۱]

تفصیلی فتویٰ آخر میں آرہا ہے۔

غیر مقلد نواب صدیق حسن خان بھوپالی کا بیان

غیر مقلد علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی نے خلفائے راشدین کے مناقب میں ایک قابلِ اعتناء کتاب لکھی ہے جس کا نام ''تکریم المومنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین'' ہے اس میں لکھتے ہیں:

''ابن عم رسول سیف اللہ المسلول مظہر العجائب والغرائب اسد اللہ الغالب'' ولادت ان کی مکہ مکرمہ میں اندر بیت اللہ کے ہوئی ان سے پہلے کوئی بیت الحرام کے اندر مولود نہیں ہوا تھا۔ [۲]

علامہ بھوپالی نے اپنی دوسری تصنیف تقصار جنود الاحرار صفحہ ۹ مطبع شاہ جہانی بھوپال میں بھی مولا علی کرم اللہ وجہہ کی خانہ کعبہ میں ولادت کو بیان کیا ہے۔

غیر مقلد علامہ ادریس بھوجیانی کا بیان

سابق امیر جمعیت اہل حدیث ٹوبہ ٹیک سنگھ علامہ محمد ادریس بھوجیانی اپنی تصنیف ''خاندانِ نبوت'' میں لکھتے ہیں:

آپ کی ولادت باسعادت قبل نبوت آٹھ سال بیت اللہ میں ہوئی۔ [۳]

مرزا حیرت دہلوی دیوبندی کا بیان

مشہور دیوبندی مورخ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ حضور ﷺ کی شادی

---

[۱] تفہیم المسائل، ج۶ ص ۴۷، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
[۲] تکریم المومنین، ص۹۹، مطبع مفید عام، آگرہ
[۳] خاندانِ نبوت، ص ۳۴۷

کے تین سال بعد خانۂ کعبہ میں پیدا ہوئے۔ [1]

علامہ ابوالحامد ضیاء اللہ قادری علیہ الرحمہ کا بیان

اسی واسطے مناظر اہل سنت صاحب تصانیف کثیرہ علامہ ابوالحامد ضیاء اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ کی خانۂ کعبہ میں پیدائش کے بارے میں اہل سنت کا جو نظریہ ہے غیروں کی کتابوں سے ثابت ہے۔ آپ نے نواب صدیق حسن بھوپالی کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ اُن کے ماننے والوں کو سوچنا چاہیے اہل سنت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو مولود کعبہ مانتے ہیں، یہ اتنا سچا نظریہ ہے جو تمہاری کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ پھر آپ لکھتے ہیں کہ دانائے رموز حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت　　　بکعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

(ماہ طیبہ شعبان ۱۴۲۲ھ نومبر ۲۰۰۱ء)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا بیان

''سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کا ذکر خیر موجود ہے، حوالہ سے قبل اس کتاب کے بارے تعارف پیش کیے دیتا ہوں تا کہ اس کتاب کی اہمیت واضح ہو جائے۔ اس کتاب پر تقریظ لکھتے ہوئے حضرت علامہ سید محمد عارف رضوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ منظر الاسلام بریلی شریف، بانی جامعہ رضویہ حسینیہ نان پارہ، ضلع بہرائچ (یوپی) رقم طراز ہیں:

زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (چار جلد) اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی اور اس کا غیر معمولی حصہ ہے اس کتاب میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی تصانیف سے چن چن کر ان تمام مضامین کو یکجا کر دیا گیا ہے جن کا تعلق ''سیرت الرسول'' یا اس سے متعلق کسی بھی بحث سے ہے اس کتاب کو میں نے چند مقامات سے

[1] کتاب شہادت، ص ۱۵۸، مطبوعہ کرزن پریس، دہلی

دیکھا جس سے اندازہ ہوا کہ فاضل مؤلف میرے تلمیذ رشید عزیز گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رضوی قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ مظہر العلوم گرسہائے گنج ضلع قنوج نے انتہائی محنت و جاں فشانی اور عرق ریزی سے سیرت کا یہ مجموعہ تیار کیا ہے۔ عزیز موصوف کی یہ کاوش یقیناً سراہنے کے لائق ہے اور وہ پوری ملت کی طرف سے داد و تحسین اور مبارک باد کے مستحق ہیں ہماری جماعت کو ایسے مصنفین کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے عزیز موصوف کی یہ عظیم خدمت و کارنامہ تاریخی حیثیت سے بھی یاد کیا جائے گا۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے تعلق سے سیرت کی یہ کتاب اس اعتبار سے بھی اور زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ یہ غیروں کے اس اعتراض کا دندان شکن اور مسکت جواب ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے اگرچہ ایک ہزار سے زائد کتابیں تصنیف کیں۔ مگر سیرت الرسول کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا اگرچہ یہ اعتراض بے بنیاد اور لایعنی تھا مگر معترضین کی زبان دوزی کے لیے، ہم اس کتاب کو فخر وانبساط کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔ بلفظہٖ [1]

اسی طرح ''کلمۃ الناشر'' میں اس کتاب کی ثقاہت بیان کرتے ہوئے، مناظر اہلِ سنت ماہر رضویات، علامہ عبدالستار ہمدانی ''معروف'' برکاتی، نوری، بانی مرکز اہلِ سنت برکات رضا، امام احمد رضا روڈ، پور بندر، گجرات، رقم طراز ہیں:

الحاصل امام احمد رضا پر مخالفین کا یہ اعتراض کہ احمد رضا محقق بریلوی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تعلق سے کچھ نہیں لکھا، درحقیقت ایسا بے بنیاد واویلا ہے جس کا سر ہے نہ پیر۔ امام احمد رضا محقق بریلوی نے سیرت کے تعلق سے مختلف عنوانات کے تحت انفرادی طور پر بہت کچھ لکھا ہے مخالفین کے اس اعتراض کی قلعی کھولنے اور ان کے افتراء پردازی کی بدحواسی کا پردہ چاک کرنے میں صاحب تصانیف کثیرہ، عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت علامہ و مولانا محمد عیسیٰ رضوی شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم، گرسہائے گنج، ضلع قنوج (یوپی) نے انتہا درجہ کی جدوجہد فرما کر تصانیف امام احمد رضا میں سیرت رسول یا سیرت رسول سے تعلق رکھنے والی بحثیں جو بکھرے ہوئے جواہر پاروں کی طرح تھیں ان تمام

[1] سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جانِ رحمت، ج ۱ ص ۱۵، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

ابحاث کو یکجا کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی، ان کی زیر نظر کتاب ''سیرتِ مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے۔

زیر نظر کتاب کل چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے تقریباً چار ہزار صفحات میں پھیلی ہوئی یہ تاریخی کتاب رضویات کے بے بہا خزانے میں یقیناً اضافہ کر رہی ہے اور اس کی افادیت صرف خواص تک محدود نہ رہتے ہوئے عوام المسلمین کے لیے بھی نفع بخش علمی سرمایہ ثابت ہوگی۔

فاضل مصنف حضرت علامہ محمد عیسیٰ رضوی صاحب ہماری جماعت کے ذوفنون عالم ہیں۔ جن کے قلم کی برق رفتاری اور معتبری کا اہلِ علم طبقہ معترف وقائل ہے۔ تلاش جزئیہ، تحقیق حوالہ رجوع الی الماخذ، وصولِ دلیل، اعتدال، دعویٰ استنباط واستخراج، سلاست موضوع، سلامت روی، صحت براہین، عام فہم اور سلیس اندازِ بیان، گرفت عنوان، تقسیمِ ابواب، تعین فصل، معتمد ومعتبر ومستند دلائل، رواں دواں جملے، الفاظ کی بندش، اظہار و اخفاء، لیاقت عرض ومعروض، معنی ومطلب ومقصد ومراد کی وضاحت، صدق گوئی، اجتناب علی کذب، ترک متروک وغیر ثقہ روایات، تحقیق انیق، افہام وتفہیم کی جدت وندرت، سحر بیانی، شیریں لسانی وغیرہ اوصاف فاضل مصنف کی انوکھی شان ہیں جن کا صحیح اندازہ زیر نظر کتاب ''سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' کے مطالعہ سے آجائے گا۔ بلفظہ [1]

اسی طرح فاضلِ مؤلف حضرت علامہ ومولانا محمد عیسیٰ رضوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ رضویہ مظہر العلوم ''مقدمۃ الکتاب'' میں خود اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

زیر نظر کتاب ''سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' بھی اسی طرح کی ایک ادنیٰ کوشش ہے جسے میں اپنے نبی کی بارگاہ محبت میں اس یقین واذعان کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ یہ میرے ایمان وعقیدت کا خراج ونذرانہ اور میرے لیے ذخیرۂ عقبیٰ وآخرت ہو یہ کتاب سیرت الرسول کے ان مباحث ومضامین کا مجموعہ ہے

---

[1] سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانِ رحمت، ج ۱ صفحہ ۴۷-۴۸، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور

جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ کی صدہا تصانیف وتحقیقات میں جا بجا پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں اس کتاب میں چن چن کر یکجا ومجتمع کر دیا گیا ہے اس میں جو کچھ ہے وہ امام احمد رضا ہی کے رشحاتِ قلم کی نکتہ سنجیاں ہیں۔ بلفظہٖ [1]

ان تمام تر نگارشات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اس کتاب کا تمام تر مواد معتبر ومستند اور معتمد علیہ ہے، کوئی غیر ثقہ روایات اس میں نہیں ہے اور یہ سب کا سب اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صدہا تصانیف وتحقیقات میں مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے کو چن چن کر یکجا کر دیا گیا ہے اور اب اس میں بقول مؤلف کتاب ھذا ''جو کچھ ہے وہ امام احمد رضا ہی کے رشحاتِ قلم کی نکتہ سنجیاں ہیں۔

اور مؤلف کتاب چونکہ صدق گوئی، اجتنابِ کذب، ترکِ متروک وغیر ثقہ روایات، تحقیق انیق ایسے اوصاف سے متصف ہیں۔

گویا اب ہم اس وضاحت کے بعد کہیں گے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق یوں ہے جسے فاضل مؤلف نے رقم فرمایا:

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم

علی ان کا نام ہے اور ابوالحسن و ابوتراب ان کی کنیت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند اور برادر مواخات ہیں۔ فاطمہ بتول سیدہ نساء العالمین کے شوہر اور سبطین سعیدین حضرت امام حسن وحسین سیدی شباب اہل الجنۃ کے والد نامدار ہیں۔ زمانۂ جاہلیت اور عہدِ رسالت میں ان کا نام علی ہے۔

اہلِ سیر کہتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر جو اسد تھا ان کا نام حیدر رکھا جب ابوطالب تشریف لائے تو انہوں نے یہ نام ناپسند کیا اور علی نام رکھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا نام صدیق رکھا جیسا کہ ریاض النضرۃ میں ہے اور ان کی کنیت ابوالریحانین رکھی گئی اور آپ کا لقب بیضۃ البلد، امین شریف، ہادی، مہدی، ذی

[1] سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جانِ رحمت، ج ۱ ص ۶۹، مطبوعہ شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور

الاذن الزرعیہ، یعسوب الامۃ تھا۔ •

اہلِ سیر کہتے ہیں کہ ان کی ولادت جوفِ کعبہ میں ہوئی تھی، یہ قدیم الاسلام تھے حضرت ابن عباس، زید ابن ارقم، سلمان فارسی، مقداد بن اسود اور بکثرت صحابہ کرام اس پر ہیں کہ وہ اول الاسلام ہیں۔ [1]

امیر اہل سنت مولانا محمد الیاس قادری صاحب کا بیان

امیرِ اہل سنت پیر طریقت رہبر شریعت ابوالبلال مولانا محمد الیاس قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ نے ''کراماتِ شیرِ خدا'' میں لکھا:

خلیفۂ چہارم، جانشینِ رسول، زوجِ بتول، حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم کی کنیت ''ابوالحسن'' اور ''ابوتراب'' ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ شہنشاہِ ابرار، مکے مدینے کے تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ عام الفیل کے ۳۰ سال بعد (جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف ۳۰ برس تھی) ۱۳ رجب المرجب بروز جمعۃ المبارک حضرت سیدنا علی المرتضیٰ، شیرِ خدا کرم اللہ وجہہ الکریم خانۂ کعبہ شریف (زادھا اللہ شرفًا و تعظیمًا) کے اندر پیدا ہوئے۔ [2]

اس کے علاوہ کئی ایک مؤرخین ومحدثین نے ایسا ہی لکھا۔ جو ''تلقی بالقبول'' کی واضح دلیل ہے۔

چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا عقل و قیاس کے موافق ہے اس واسطے اصولِ سرخسی کی وضاحت کے مطابق بھی یہ روایت قابلِ اعتناء ہے۔

ایک اشکال کا حل

یہاں ایک اور اشکال پیدا ہوسکتا ہے۔ اس کا حل سمجھ لیا جائے۔ اس مقام پر یہ اشکال وارد کیا جاسکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت شعب بنی ہاشم میں

---

[1] سیرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانِ رحمت، ج ۴ ص ۷۸۳، مطبوعہ شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور

[2] کراماتِ شیرِ خدا، ص ۱۱۔ ۱۲، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی

ہے۔ یا آپ کی ولادت گاہ ابوطالب کا گھر ہے۔ یا آپ کی ولادت گاہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت گاہ کے قریب ہے۔ اس طرح کی مختلف روایات سامنے آتی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کعبہ نہیں ہے؟

اس اشکال کے حل سے قبل یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ روایات میں اختلاف، کسی اعتبار سے ہو۔ خصوصاً زمان یا مکان کے اعتبار سے ہو تو پہلے تطبیق دی جاتی ہے جب تطبیق نہ بن پائے تو پھر قوت ترجیح کے قانون پر عمل کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ تمہیدی گفتگو کی شق نمبر ۴ میں بیان ہوا۔

زمان کے اعتبار سے اختلاف روایات میں تطبیق کی مثال

اختلافِ زمان میں تطبیق کی مشہور مثال وہ روایت ہے جس میں آیا کہ پہلے اسلام کون لایا؟ ایک روایت میں آیا سب سے پہلے اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا لائیں۔

ایک روایت میں آیا سب سے پہلے اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لائے۔

ایک روایت میں آیا سب سے پہلے اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لائے۔

ایک روایت میں ہے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ایمان سب سے پہلے لائے۔

ایک روایت میں آیا حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے۔

ان سب میں تطبیق دیتے ہوئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عورتوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا لائیں۔

بچوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لائے۔ آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لائے۔ آزاد کردہ غلاموں میں سب سے پہلے اسلام حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ لائے۔ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ [1]

---

[1] تاریخ الخلفاء، ص ۲۶، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی، الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، ج ۱ ص ۴۵۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

مکان کے اعتبار سے اختلافِ روایات میں تطبیق کی مثال

مکان کے اعتبار سے اختلافِ روایات میں تطبیق کی مثال ہم اسی سرزمین کی دیتے ہیں جس میں حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ولادت باسعادت ہوئی۔

ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو معراج، اپنے گھر سے ہوا، یا اُم ہانی کے گھر سے ہوا یا حطیمِ کعبہ سے ہوا، تین قسم کی روایات سامنے آتی ہیں۔ بعضوں نے کہا: ان روایات کے پیشِ نظر ایک تاویل یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دو معراج ہوئے ایک بیداری میں اور دوسرا نیند میں اور ام ہانی کا گھر اور آپ کا گھر گویا ایک ہی بات ہے۔

"و قال بعض المحققین: الجمع بین الاقوال الواردۃ فی ھذہ المواضع انه ﷺ نام عند بیت اُم ھانی و بیتھا عند شعب ابی طالب ففرج سقف بیتھا و اضاف البیت الی نفسه لکونه یسکنه فنزل فیه الملك فاخرجه من البیت الی المسجد و کان مضطجعًا و به اثر النعاس ثم اخرجه من الحطیم الی باب المسجد فارکبه البراق"۔

یعنی بعض محققین نے کہا: (کہ معراج ایک ہی ہوئی لیکن) "ان جگھوں کے بارے جو اقوال وارد ہوئے ان کے درمیان موافقت یوں ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُم ھانی کے گھر کے پاس آرام فرما ہوئے اور ام ھانی کا گھر شعب ابی طالب کے پاس ہے۔ پھر ان کے گھر کی چھت کو کھولا گیا۔ اور ام ھانی کے گھر کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی طرف اس لیے کی کہ آپ اسی میں ٹھہرے ہوئے تھے پھر اس گھر میں فرشتہ اترا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گھر سے مسجد کی طرف لے گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ پہلو کے بل آرام فرما رہے تھے جس کی وجہ سے آپ پر اونگھ کا کچھ اثر تھا۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرشتہ حطیم سے مسجد کے دروازہ پر لے آیا اور آپ کو براق پر سوار کیا۔ (تو اس طرح تین مقامات سے ایک ہی معراج ہونے کی تطبیق واضح ہوگئی)۔ [1]

[1] مرقاۃ شرح المشکوٰۃ، ج ۱۰ ص ۵۶۴، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی، پشاور

ایک اشکال اور اس کا حل

اگر ہماری اس تطبیق کی مثال پر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تطبیق کی مثال باسند روایت کے اعتبار سے ہے جبکہ مولودِ کعبہ کے واقعہ کی محدثین نے سند ذکر نہیں کی تو تطبیق کی مثال کیسے ہوگی؟ اس سطحی سے اعتراض کا اصول فن میں کوئی وزن نہیں، تاہم اس کی وضاحت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں معتقدات کی تفصیل رقم فرماتے ہیں:

فائدہ جلیلہ

مانی ہوئی باتیں چار قسم ہوتی ہیں:

(۱) ضروریاتِ دین

ان کا ثبوت قرآنِ عظیم یا حدیث متواتر یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

(۲) ضروریاتِ مذہب اہل سنت و جماعت

ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

(۳) ثابتاتِ محکمہ

ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی، جبکہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح و مضمحل اور التفاتِ خاص کے ناقابل بنا دے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سوادِ اعظم و جمہور علماء کا سندِ وافی ''فانّ ید الله علی الجماعۃ'' اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت جماعت پر ہوتا ہے۔

ان کا منکر وضوحِ امر کے بعد خاطی آثم خطا کار و گناہگار قرار پاتا ہے، نہ بد دین و گمراہ نہ کافر و خارج از اسلام۔

(۴) ظنیاتِ محتملہ

ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنی بھی کافی، جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو۔ ان کے منکر کو صرف مخطی وقصور وار کہا جائے گا نہ گناہگار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرقِ مراتب نہ کرے، اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بے وقوف ہے یا مکار فیلسوف ہے۔

ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد

''ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا کوئی خاص مقام ہوتا ہے''۔ت

اور

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

''اگر تُو مراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھے تو زندیق ہے''۔ت [1]

جب یہ واضح ہو گیا کہ مولودِ کعبہ کی روایت کا درجہ ''ظنیاتِ محتملہ'' میں سے ہے اور اس مرتبہ کی بات کے لیے اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگنا درست نہیں۔ کیونکہ اس کا درجہ ہے ہی یہی اور اس سے اوپر درجہ کی دلیل کا مطالبہ اسے اس درجہ سے نکال کر اوپر والے درجہ میں رکھنا ہو گا جو درست نہیں۔

سو تاریخی روایت کے لیے کسی معتبر شخصیت سے ثبوت فراہم ہو جائے تو کافی ہے اور اس درجے کی بات کے لیے اس قدر ہی دلیل کافی ہے پھر وہ تاریخی واقعہ کسی باسند روایت سے ثابت ہو جائے تو بہتر ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ تاریخی واقعہ اپنی تاریخی حیثیت

---

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۹ ص ۳۸۵، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

سے معتقدات کے اعلیٰ درجہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ تاریخی واقعہ تو ایک تاریخی واقعہ ہی ہے خواہ سنداً ہو یا بلا سند۔

اس گزارش کے بعد یہ بات واضح ہو گئی کہ ہم نے تطبیق میں باسند روایت کے ساتھ (بالفرض) اگر بے سند روایت کو تشبیہ دی ہے تو وہ تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں اپنے اپنے مقام میں دلیل کے اعتبار سے معتبر ہیں۔ واقعۂ معراج میں مختلف روایات میں تطبیق اپنے محل و مقام کے اعتبار سے ہے اور مولودِ کعبہ میں مختلف اقوال میں تطبیق اپنے محل و مقام کے اعتبار سے ہے اور ایک اعتبار کو دوسرے اعتبار سے تشبیہ طریقۂ تطبیق میں ہے۔ نہ کہ (بالفرض) بے سند کو باسند بنانے کی کوشش ہے۔ اور بالفرض کا قول بھی ہم نے اس واسطے کیا کہ تاریخی واقعہ کے لیے مستند شخصیات کا واقعہ کو نقل کرنا ہی سند و حجت ہوتا ہے۔ یہاں تو پھر بھی مسلّم روایت کے مطابق حدیث ضعیف اس واقعہ پر موجود ہے جو وجودِ واقعہ پر دلیل و سند ہے۔ اگر من گھڑت اور موضوع روایت ہوتی تو اسے صراحۃً ہر ایک بیان کرتا کیونکہ موضوع و من گھڑت روایت کے لیے اجماعِ محدثین ہونا چاہیے۔[1]

اور چاہیے تھا کہ ہر کوئی واقعہ کے غلط ہونے کی سراسر وضاحت کر دیتا جبکہ اس واقعہ کو تو مورخین، سیرت نگار صوفیاء و مشائخ، اپنے بیگانے سبھی لکھ رہے ہیں حتیٰ کہ ناقدین نے اسے ضعیف لکھا موضوع نہیں لکھا، اور ہم نے یہ گزشتہ اوراق میں لکھ دیا ہے کہ جن محدثین کو یہ واقعہ سنداً ضعیف ملا انہوں نے اسے ضعیف لکھا، اور جنہیں مشہور انہوں نے مشہور اور جنہیں متواتر انہوں نے تواترِ اخبار کا دعویٰ فرمایا۔ پھر جب سند کی تعریف ہے:

''سلسلة الرجال يوصل الى المتن'' رجال کی وہ کڑی جو متن تک پہنچائے۔

تو ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم باصدوق و ثقہ محدثین کو مضبوط کڑی کا درجہ دیں۔ گزارش ہے کہ جب سند میں بھی شخصیات پر اعتماد کر کے متن کو تسلیم کیا جاتا ہے تو کیا حضراتِ محدثین

---

[1] الکلام المرفوع، ص ۱۸، محمد انوار اللہ قادری، مطبوعہ حیدر آباد، دکن، انڈیا

جو اس واقعہ کو نقل فرمانے والے ہیں وہ قابلِ اعتماد صدوق وثقہ نہیں؟ اگر ہیں تو واقعہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیوں؟

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ''فتاویٰ رضویہ'' میں دو خطبوں کے درمیان دعا کرنے کے بیان میں جواب دیتے ہوئے آغاز کے الفاظ یوں رقم فرماتے ہیں:

امام کے لیے تو اس دعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، جس کے لیے نہی شارع نہ ہونا ہی سند کافی۔ [1]

چونکہ احکامات میں اصل اباحت کے باعث امر ممکن کی طرح تقاضائے وجودِ فعل ہوتا ہے پھر اس بارے عدم نہی وجودِ اباحت پر دلیل بن جاتی ہے۔ سو اسی طرح واقعات میں امر ممکن کے وجود پر مستند ماخذ سے ثبوت وجودِ فعل کے مقتضی پر دلیل بن جاتا ہے۔ جس میں نہی شارع نہ ہونا ہی سند کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اسی واسطے ہم نے گزشتہ کلام میں عرض کی تھی کہ کسی باسند روایت میں مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے مولود کعبہ ہونے کی نفی نہیں ہے۔ تامل یا اخی الطالب الصادق

تواتر کی وضاحت

امام کاسانی ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' میں تواتر کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''إن التواتر ضربان: تواتر من حيث الرواية وهو أن يرويه جماعة لا يتصور تواطؤهم على الكذب، وتواتر من حيث ظهور العمل به قرنا فقرنا من غير ظهور المنع والنكير عليهم في العمل به إلا انهم ما رووه على التواتر لان ظهور العمل به أغناهم عن روايته وقد ظهر العمل بهذا مع ظهور القول أيضا من الأئمة بالفتوى به بلا تنازع منهم

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۸ ص ۴۷۷، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ومثله يوجب العمل قطعا فيجوز نسخ الكتاب العزيز به كما يجوز بالمتواتر في الرواية إلا أنهما يفترقان من وجه وهو أن جاحد المتواتر في الرواية يكفر وجاحد المتواتر في ظهور العمل لا يكفر لمعنى عرف في أصول الفقه"۔

تواتر کی اقسام

یعنی تواتر کی دو قسمیں ہیں: (۱) تواتر من حیث الروایۃ (۲) تواتر من حیث ظہور العمل قرناً فقرناً۔

(۱) تواتر من حیث الروایۃ

روایت کی حیثیت سے تواتر تو وہ ایک ایسی جماعت کا حدیث کو روایت کرنا ہے جس کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو۔

(۲) تواتر من حیث ظہور العمل قرناً فقرناً

ایک قرن سے دوسرے قرن تک اس حدیث کے عمل میں کسی انکار اور منع کے ظاہر ہوئے بغیر ظہورِ عمل کی حیثیت سے اس پر تواتر ہو۔ مگر یہ کہ وہ اسے طریق تواتر پر روایت کر دیں کیونکہ عمل کا اس طریقے سے ظاہر ہونا اس طریق تواتر کی روایت سے اسے غنی کر دے گا اور تحقیق اس کے ساتھ عمل ظاہر ہو چکا باوجود کہ ائمہ فتویٰ سے قول کا ظہور بھی بالاتفاق ثابت ہے اور ایسا تواتر عمل کو قطعی طور پر واجب کرتا ہے جس سے کتاب الٰہی کا نسخ ہوسکتا ہے جیسا کہ روایت میں متواتر کے ساتھ نسخ جائز ہوتا ہے مگر ان دونوں میں ایک اعتبار سے فرق ہے وہ یہ ہے کہ "متواتر فی الروایۃ" کا منکر کافر ہو جائے گا اور "متواتر فی ظہور العمل" کے منکر کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس معنی کی وجہ سے جسے اصول فقہ میں پہچانا گیا۔ [1]

---

[1] بدائع الصنائع، ج ۶ ص ۴۲۳۔ ۴۲۴، کتاب الوصایا، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

تواتر میں دیکھنا اور سننا افادۂ علم میں برابر ہے

فخر المتکلمین علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ مسئلہ نبوت کے تحت تواتر کے حوالے سے اشکال اور اس کا جواب یوں پیش کرتے ہیں:

''ان قلت المتواتر ماسمع من قوم فاین سماع هذه الأحاديث قلت نظر الكتاب والساع متساويان فى افادة العلم فانه اذا بلغك مكتوبات عن قوم واشتملت على مضمون واحد حصل العلم به قطعًا بلاسماع فكذلك كتب الحديث المتفرقة فى أقطار الأرض شرقًا وغربا تفيد العلم القطعى لناظرها فاحفظ هذه الفائدة الجليلة''۔

اگر تو اعتراض کرے کہ متواتر تو وہ روایت ہوتی ہے جس کو کسی قوم سے سنا جائے جبکہ ان (معجزات کی خبر دینے والی) احادیث کا اس طریق پر سماع کہاں ہوا ہے؟

میں (علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ) کہتا ہوں: کتاب کو دیکھنا اور سننا افادۂ علم میں برابر ہے سو جب تیرے پاس کسی قوم کی طرف سے کچھ مکتوبات پہنچیں اور وہ سب ایک ہی مضمون پر مشتمل ہوں تو ان خطوط ومکتوبات سے حاصل ہونے والا علم سماع کے بغیر ہی قطعی ہوگا۔ یہی حال کتب حدیث کا ہے جو زمین کے اطراف میں شرقاً غرباً پھیل چکی ہیں اور اپنے دیکھنے والے کو علم قطعی کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس عظیم فائدہ کو حفظ کرلے۔ [1]

اس قدر وضاحت سے معلوم ہوا کہ تواتر میں معنیٰ شہرت کا وجود ہوتا ہے۔

اس عبارت سے پہلے علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ نے قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ کی تحقیق پیش کر کے فرمایا: ''وھو الحق'' حق مذہب یہی ہے۔ اب ہم افادۂ عام کے لیے قاضی عیاض مالکی علیہ الرحمہ کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جسے حافظ برخوردار ملتانی نے بھی حاشیہ میں نقل کیا:

---

[1] النبراس، ص ۴۴۱، مطبوعہ موسسۃ الشرف، گنج بخش روڈ، لاہور

”إن معجزاته عليه الصلوٰة والسلام على قسمين قسم منها علم قطعا و نقل الينا متواترا كالقران فلا مرية ولا خلاف بمجيئ النبى عليه الصلوٰة والسلام به وظهوره من قبله واستدلاله بحجة وإن أنكر هذا معاند جاحد فهو كانكار وجوده عليه الصلوٰة والسلام فى الدنيا و القسم الثانى مالم يبلغ مبلغ الضرورة والقطع وهو على نوعين مشتهر و منتشر رواه العدد الكثير وشاع الخبر به عند المحدثين والرواة ونقلة السير والأخبار كنبع الماء من بين الأصابع و تكثير الطعام ونوع منه اختص به الواحد والإثنان ورواه العدد اليسير ولم يشتهر اشتهار غيره لكنه اذا جمع إلى مثله اتفقافى المعنى و اجتمعا على الإتيان بالمعجز ثم قال وما عندى أوجب قول القائل ان هذه القصص المشهورة من باب خبر الواحد الاقلة مطالعته للأخبار ورواياتها وشغله بغير ذلك من المعارف وإلا فمن اعتنى بطرق النقل وطالع الأحاديث والسير لم يرتب فى صحة هذه القصص المشهورة على الوجه الذى ذكرناه ولا يبعد أن يحصل العلم بالتواتر عند واحد ولا يحصل عند آخر فان اكثر الناس يعلمون بالخبر كون بغداد موجودة وأنها مدينة عظية ودار الإمامة والخلافة وآحاد من الناس لا يعلمون اسمها فضلا عن وصفها“۔

یعنی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات دو قسم کے ہیں: ایک قسم ایسی ہے جس سے علم قطعی آتا ہے اور ہم تک اس کا پہنچنا تواتر کے ساتھ ہے جیسا کہ قرآن مجید، اس کے متواتر ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں اور نبی اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے اس قرآن مجید کو لانے اور آپ کی طرف سے اس کے ظاہر ہونے اور اس کی حجیت کے ساتھ استدلال کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں اور اگر کوئی معاند اور منکر اس کا انکار کرے تو وہ نبی محتشم علیہ الصلاۃ والسلام کے دنیا میں وجود کے انکار کی طرح انکار ہوگا، اور دوسری قسم وہ ہے جو ضرورۃ و قطع

کی حد تک نہ پہنچی ہو، اس کی دو قسمیں ہیں: پہلی قسم ہے مشتہر و منتشر یعنی جس کو عدد کثیر روایت کریں اور وہ خبر محدثین، رواۃ اور سیرت و اخبار کے ناقلین کے ہاں شہرت والی ہو جیسا کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنا، کھانے کا زیادہ ہونا وغیرہ۔

اور دوسری قسم وہ ہے جو خبر ایک اور دو مردوں کے ساتھ مختص ہو اور اسے بہت کم تعداد میں روایت کرنے والے ہوں اور اس کے علاوہ اس کی شہرت نہ ہو لیکن جب یہ اپنی مثل کے ساتھ جمع ہو جائے تو یہ دونوں معنی میں متفق ہوں گے اور عاجز کرنے والے امر کو لانے پر مجتمع ہوں گے۔

غیر متواتر کو متواتر کہنے کی وجہ

قاضی عیاض علیہ الرحمہ کچھ تھوڑا آگے چل کر فرماتے ہیں: اور وہ جو میرے نزدیک کہنے والے کے قول کو زیادہ ثابت کرتی ہے کہ یہ مشہور قصص خبر واحد کے باب سے ہیں مگر اخبار و روایات کے قلت مطالعہ اور اس کے علاوہ معارف میں مشغول ہونے کے باعث (تواتر کا قول ان کے بارے کر دیا گیا ہے) وگرنہ جو نقل کے طریقوں، شرائط روایت اور احادیث و سیر کا مطالعہ کرنے والا ہے وہ ان مشہور قصص کی صحت میں ہمارے ذکر کردہ (تواتر کے حوالے سے علم آنے میں) یقینی حکم نہیں لگا سکے گا۔

تواتر کے لیے سب کا جاننا ضروری نہیں

اور یہ بات بھی بعید نہیں ہے کہ ایک شخص کے نزدیک (کسی بات کا) علم تواتر کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کے نزدیک حاصل نہیں ہوتا کیونکہ اکثر لوگ ''بغداد'' کے موجود ہونے کی خبر کو جانتے ہیں اور یہ کہ وہ عظیم شہر ہے درالامامۃ اور دارالخلافۃ ہے اور لوگوں میں سے کئی ایسے ہیں جو ''بغداد'' کے نام تک کو نہیں جانتے چہ جائیکہ اس کے اوصاف کو جانتے ہوں۔ [1]

---

[1] حاشیۃ النبر اس، نمبر ۳ ص ۱۴۴، مطبوعہ موسسۃ الشرف، لاہور، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، الجزء الاول، ص ۲۲۳۔ ۲۲۵، مطبوعہ وحیدی کتب خانہ، پشاور

(۱) اس کلام سے ایک بات یہ مفہوم ہوئی کہ بعض دفعہ حدیث کے تواتر یا عدمِ تواتر کا علم قلتِ مطالعہ یا دیگر معارف میں مشغولیت کے باعث ہوتا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ سمجھ آئی کہ تواتر کے لیے سب کا جاننا ضروری نہیں بسا اوقات کسی ایک کے نزدیک وہ کلام متواتر ہوتا ہے وہی کلام دوسرے کے نزدیک متواتر ثابت ہی نہیں ہوتا لیکن اس عدمِ علم سے علم عدم ہونا لازم نہیں آتا اور پہلے متواتر کا غیر متواتر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) اب ہم پر یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ ایسے متواتر کے منکر کو کافر تو درکنار گمراہ بھی نہیں کہہ سکتے۔

تواتر بمعنی مشہور بھی آتا ہے

تواتر مشہوَر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لہٰذا تواتر کے معنی پر اعتراض نہیں رہنا چاہیے کہ اس کے منکر کو کافی کیوں نہیں کہا جاتا کہ یہاں ''تواترت الآخبار'' میں تواتر بمعنی مشہور کے ہے۔ جیسا کہ محدث صالح شامی علیہ الرحمہ نے ''سبل الھدی والرشاد'' میں نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختون پیدا ہونے کے حوالے سے روایت تواتر پر اعتراض کے وقت فرمایا: ''وأجيب باحتمال أن يكون أراد بتواتر الأخبار اشتهارها وكثرتها في السير لامن طريق السند المصطلح عليه عند أئمة الحديث''۔

یعنی اس احتمال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ''تواتر اخبار'' سے مراد ''اشتہار اخبار'' یعنی اخبار کا مشہور ہونا ہے اور سیر میں اس کا کثرت سے وجود ہے نہ کہ مصطلح علیہ سند کے طریق پر جو ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت ہے۔ [1]

تاریخی بات کے لیے تواتر بمعنی مشہور اور بلا سند مقبول ہوتا ہے

اسی تاریخی اعتبار سے تواتر، شہرت اور مشہور کے معنی میں آتا ہے اور اس کے لیے کسی

[1] سبل الھدی والرشاد، الباب الثامن فی ولادتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختونا مقطوع السرۃ، ج ۱ ص ۴۲۰، مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی، القاھرہ ۱۴۱۸ھ

سند کی ضرورت نہیں ہوتی، چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں امام عمر نسفی علیہ الرحمہ کے کلام پر علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمہ یوں رقمطراز ہیں:

''الخبر الصادق علی نوعین احدھما الخبر المتواتر سمی بذلك لما أنه لایقع دفعة بل علی التعاقب والتوالی وھو الخبر الثابت علی ألسنة قوم لایتصور تواطؤھم أی لایجوز العقل توافقھم علی الکذب ومصداقه وقوع العلم من غیر شبھة وھو بالضرورة موجب للعلم الضروری کالعلم بالملوك الخالیة فی الأزمنة الماضیة والبلدان النائیة یحتمل العطف علی الملوك و علی الأزمنة والأول أقرب وان کان أبعد فھھنا مقامان أحدھما أن التواتر موجب للعلم وذلك بالضرورة فانا نجد من انفسنا العلم بوجود مکة وبغداد وأنه لیس إلا بالأخبار والثانی أن العلم الحاصل به ضروری وذلك لانه یحصل للمستدل وغیرہ حتی الصبیان الذین لا اھتداء لھم الی العلم بطریق الاکتساب وترتیب المقدمات''۔

یعنی خبر صادق دو قسموں پر ہے، ان میں سے ایک ہے خبر متواتر، اس کو خبر متواتر کا نام اس واسطے دیا جاتا ہے کہ یہ دفعۃً واقع نہیں ہوتی بلکہ تعاقب وتوالی کے طریق پر واقع ہوتی ہے اور وہ ایسی خبر جو ایسی قوم کی زبانوں پر ثابت ہو جس کا جھوٹ پر اکٹھا ہونے کو عقل جائز قرار نہ دے اور اس کا مصداق علم کا بغیر شبہ کے واقع ہونا ہے اور وہ بدیہی طور پر علم ضروری کو واجب کرنے والا ہے جیسا کہ گزرے ہوئے زمانوں میں پہلے بادشاہوں اور دور کے شہروں کا علم، عطف کا احتمال ''ملوك'' اور ''ازمنه'' دونوں پر ہے پہلا احتمال (معنوی اعتبار سے) قریب ہے اگرچہ (لفظاً) بعید ہے۔ سو اس جگہ دو امر ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ متواتر یقین کا فائدہ دیتا ہے اور یہ ایجاب ضرورۃ و بداہت سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ ہم اپنے دلوں میں مکہ اور بغداد کا علم پاتے ہیں اور ہمیں یہ علم صرف اخبار وغیرہ کے ذریعہ سے ہی ہے اور دوسرا امر یہ ہے جو علم اس متواتر کے ذریعے

حاصل ہوتا ہے وہ بدیہی اور غیر استدلالی ہوتا ہے اور یہ اس واسطے ہے کہ یہ علم مستدل اور غیر مستدل کے لیے حاصل ہوتا ہے حتی کہ ان بچوں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے جنہیں طریق اکتساب اور مقدمات کی ترتیب کے علم کی طرف کوئی ہدایت نہیں ہوتی۔ [1]

گزشتہ کلام سے یہ واضح ہو گیا کہ ایسی خبر متواتر اگر تاریخی اعتبار سے ہو تو وہ شہرت اور مشہور کے معنی میں ہوتی ہے اور اس میں سند درکار نہیں ہوتی جیسا کہ گزرے ہوئے بادشاہوں کا علم اور بغداد و مکہ شریف شہروں کے وجود کی خبریں ہمیں کسی باقاعدہ سند سے اس کا علم نہیں لیکن پھر بھی ان مستند کتب میں ایسی اخبار کے لیے تواتر کا لفظ چلا آ رہا ہے جسے ہر زمانہ کے علماء بلانکیر قبول کرتے رہے آخر تلقی بالقبول کے ذریعے ملنے والا درجہ تو مسلم ہے۔ تامل حق التامل

بدعتی (رافضی) کی روایت فضائل اہل بیت میں اس وقت مجروح ہے جب حدود شریعت سے متجاوز ہو

بالفرض اگر امام حاکم کے بارے رافضی ہونا تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ بھی مخفی نہ رہے کہ فضائل اہل بیت پر رافضی کی روایت ہو تو اسے کلیۃً رد نہیں کر دیا جائے گا بلکہ مفہوم کو دیکھیں گے اگر قرآن و سنت کے مخالف ہو تو مردود ورنہ مقبول، چنانچہ محدث علی ابن سلطان القاری حنفی علیہ الرحمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں رقمطراز ہیں:

"وفی الریاض عن عائشة سئلت: أی الناس أحب إلی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قالت: فاطمة، فقیل: من الرجال قالت زوجها إن کان ماعلمت صواما قواما، أخرجه الترمذی وقال حسن غریب، وفی الأزهار رواه السدی، وقال الحاکم السدی شیعی یسب الشیخین، اه وقد ذکروا أن السدی شخصان کبیر وهو سنی و صغیر و هو رافضی۔ قال السیوطی فی شرح التقریب من أمارات کون

[1] شرح العقائد النسفیہ، ص ۱۵۔۱۶، مطبوعہ المصباح، اردو بازار، لاہور

الحديث موضوعا أن يكون الراوى رافضيًا والحديث فى فضائل أهل البيت، قال الشيخ الحافظ على بن عراق فى كتاب تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة أوفى ذم من حاربهم وذكر بعض شيوخى أنه روى عن شيخه الحافظ المحدث البرهان الناجى بالنون: أن من أمارات الموضوع أن يكون فيه، وأعطى ثواب نبى أوالنبيين ونحوهما۔ قلت: كلام السيوطى و ابن عراق ليس على الاطلاق، بل ينبغى أن يكون مقيدًا بما اذا وجد فيه مبالغة زائدة غير معروفة فى مدح أهل البيت أوذم أعدائهم وإلا ففضل أهل البيت وذم من حاربهم أمر مجمع عليه عند علماء السنة و أكابر أئمة الأمة ثم لا يلزم من أكثرية المحبة تحقق الأفضلية، إذ محبة الأولاد و بعض الأقارب أمر جبلى مع العلم القطعى بأن غيرهم قد يوجد أفضل منهم وأما بالنسبة إلى الأجانب فالافضلية توجب زيادة المحبة وبهذا يندفع الإشكال والله أعلم بالأحوال"۔

یعنی "ریاض النضرۃ" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ سے پوچھا گیا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ آپ نے فرمایا: حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، آپ سے دریافت کیا گیا: مردوں میں سے کون سب سے زیادہ پیارا تھا؟ آپ نے فرمایا: ان کے شوہر (حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں نے ان سے زیادہ کسی کو روزہ اور قیام کرتے نہیں دیکھا۔

اسے امام ترمذی نے بیان کیا اور "حسن غریب" فرمایا، اور ازھار میں ہے: اسے "سدی" نے روایت کیا۔ امام حاکم نے فرمایا: سدی شیعہ ہے شیخین کو گالیاں بکتا ہے۔

تحقیق محدثین نے ذکر کیا ہے کہ سدی دو شخص ہیں بڑا سنی ہے اور چھوٹا رافضی شیعہ ہے۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے "شرح التقریب" میں فرمایا کہ حدیث کے من گھڑت ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس حدیث کا راوی شیعہ رافضی ہوگا اور حدیث اہل بیت

کے فضائل میں ہو گی اور میرے ایک شیخ نے اپنے شیخ حافظ محدث برھان ناجی علیہما الرحمہ سے روایت کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ من گھڑت روایت کی نشانیوں میں سے ایک تو یہی ہے اور دوسری نشانی یہ ہے کہ اس میں ایک نبی یا دو نبیوں یا ان دونوں جیسا ثواب دیا جانا پایا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: امام سیوطی اور ابن عراق کا کلام علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ مناسب ہے کہ یہ مقید ہو اس صورت کے ساتھ کہ جب اس میں ایسا زائد مبالغہ پایا جائے جو اہل بیت اطہار کی مدح میں یا ان کے دشمنوں کی مذمت میں معروف نہ ہو ورنہ اہل بیت اطہار کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مذمت علماء سنت اور امت کے اکابر ائمہ کے نزدیک متفق علیہ امر ہے پھر محبت کے زیادہ ہونے سے فضیلت کا ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اولاد کی اور بعض اقارب کی محبت ایک جبلی اور فطری عمل ہے اس قطعی علم کے باوجود کہ ان کے غیر کبھی ان سے افضل پائے جاسکتے ہیں البتہ جب نسبت اجانب کی طرف ہو تو افضلیت محبت کو زیادہ کرتی ہے اور اسی کے ساتھ اشکال مندفع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ احوال کو زیادہ جاننے والا ہے۔ [1]

اس کلام سے امام حاکم علیہ الرحمہ کے حوالے سے یہ واضح ہو گیا کہ آپ شیعہ نہیں ورنہ سدی (صغیر) پر شیعہ کہہ کر جرح کرنے کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ محبت ہونا علیٰحدہ امر ہے اور افضلیت پر مبنی معاملہ کا ہونا علیٰحدہ معاملہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ امام سیوطی اور ابن عراق علیہما الرحمہ کا کلام اس بارے مطلق نہیں مقید ہے اور اس مقید کا مفہوم یہ ہے کہ اہل بیت اطہار کی مدح یا ان کے دشمنوں کی مذمت پر روایت اس وجہ سے رد نہیں کر دی جائے گی کہ اس کا راوی شیعہ ہے بلکہ ہم مفہوم روایت کو دیکھیں گے اس میں مبالغہ زائدہ پایا جا رہا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو رد کر دیں گے ورنہ دیگر شرائط معتبرہ کے ساتھ قبول کریں گے۔ تدبر ۱۲

اختلافِ روایت میں تطبیق کی ایک فقہی مثال

سورج گرہن کی دو رکعتی نماز کے بارے احناف اور شوافع علیہم الرحمہ کا اختلاف

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱۱ ص ۳۰۹، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

ہے کہ اس میں ایک رکوع ہے یا دو رکوع۔

شوافع علیہم الرحمہ نے دلیل پیش کی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

زمانۂ اقدس میں سورج گرہن ہوا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر رکعت میں دو رکوع فرمائے۔[1]

"الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ" میں علامہ ابوالفضل احمد بن علی بن محمد عسقلانی علیہ الرحمہ متوفی رقمطراز ہیں:

"حديث عائشة فى كل ركعة ركوعان متفق عليه عنها، و فى الباب عن ابن عباس متفق عليه و عن عبدالله بن عمر، و فى مسلم وله عن جابر فى كل ركعة ثلث ركوعات و فى حديث ابن عباس فى كل ركعة اربع ركوعات ولابى داؤد عن ابى بن كعب فى كل ركعة خمس ركوعات"۔

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں دو رکوع ہیں، بخاری و مسلم کا اس پر اتفاق ہے اور اس باب میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی روایت متفق علیہ ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اور مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر رکعت میں تین رکوع ہیں اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں چار رکوع ہیں اور امام ابوداؤد کی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی روایت میں ہے کہ ہر رکعت میں پانچ رکوع ہیں۔[2]

---

[1] بخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر، رقم الحدیث: ۷۱۲، مسلم شریف، باب صلوٰۃ الکسوف، رقم الحدیث: ۲۰۸۶

[2] الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ علی ہامش الہدایۃ، ج ۱ ص ۱۸۶، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

ان روایات پر گفتگو کرتے ہوئے سید احمد طحطاوی علیہ الرحمہ متوفی ۱۲۳۱ھ رقمطراز ہیں:

''ولنا أدلة كثيرة و قال الكمال بعد ذكرها: فهذه الأحاديث منها الصحيح و منها الحسن و قد دارت على ثلاثه أمور: منها: ما فيه أنه صلى ركعتين. و منها الأمر بأن يجعلوها كأحدث ما صلوا من المكتوبة وهى الصبح و منها ما فصل، فافاد تفصيله أنها بر كوع وما ذهبنا اليه رواه كبار الصحابة فالأخذ به أولىٰ لكثرة رواته و صحة أحاديثه و موافقته الأصول المعهودة لأ نالم نجد فى شئ من الصلوٰت الا ركوعًا واحدًا فيجب أن تكون صلوٰة الكسوف كذلك''۔

''قال الامام محمد: و تاويل ما روى ركوعين أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لما أطال الركوع فرفع من خلفهم فلما رأوا رسول الله صلى الله عليه و اٰله وسلم راكعًا ركعوا فركع من خلفهم فمن كان خلفهم ظنّ أنه صلى الله عليه وسلم صلى بأكثر من ركوع فروى على حسب ما عنده من الاشتباه''۔

ترجمہ: ہمارے احناف کثرہم اللہ تعالیٰ کے اس بارے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ امام کمال الدین (علامہ ابن ھمام علیہ الرحمہ فتح القدیر میں) ان دلائل کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: پھر یہ احادیث ایسی ہیں کہ ان میں سے بعض صحیح اور بعض درجۂ حسن تک پہنچی ہوئی ہیں اور تحقیق معاملہ تین امور پر گھومتا ہے۔

(۱) ان میں سے بعض وہ احادیث ہیں جن میں ثابت ہے کہ آپ نے دو رکعتیں ادا کیں۔

(۲) اور بعض احادیث سے ان رکعات کو فرض نماز کی طرح بنانے کا حکم ملتا ہے اور یہ (فرض نماز) صبح کی نماز ہے۔

(۳) اور ان میں سے بعض کے اندر تفصیل ہے پھر اس کی تفصیل نے اس بات کا فائدہ دیا

کہ یہ ایک رکوع کے ساتھ ہو اور جس طرف ہم گئے ہیں اسے کبار صحابہ کرام نے روایت کیا۔ سو اس مفہوم کو لینا اولیٰ ہے کیونکہ اس میں رواۃ کی کثرت، احادیث کی صحت اور اصول معہودہ کی موافقت ہے اس لیے کہ ہم تمام نمازوں میں ایک ہی رکوع پاتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ''صلاۃِ کسوف'' بھی اسی طرح ہو۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ایک سے زائد رکوع پر مشتمل روایت کی تاویل یہ ہے کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب رکوع لمبا فرمایا صف میں بعض لوگوں نے یہ گمان کرتے ہوئے سر اٹھائے کہ آپ علیہ السلام نے اپنے سر اقدس کو رکوع سے اٹھالیا ہے تو ان لوگوں کے پیچھے والے حضرات بھی سر اٹھا لیتے پھر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکوع کرتا دیکھتے تو رکوع کرتے تو ان کے پیچھے والے حضرات بھی رکوع کرتے، سو آپ علیہ السلام کے پیچھے جس نے گمان کیا کہ آپ نے ایک رکوع سے زیادہ رکوع کیے تو اس نے اتنے رکوع کے مطابق روایت کر دی جتنے کا اسے اشتباہ ہوا۔ [1]

اختلافِ روایات، ضعف ہی کی علامت نہیں ہوتیں

اس فقہی بحث میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ مختلف قسم کی روایات میں پہلے تطبیق کی راہ پیدا کی گئی ہے ورنہ احادیث میں اضطراب لازم آتا جس سے حدیث ایسے مقام میں قابلِ حجت نہیں رہتی، لیکن درست راہ تطبیق دینا ہے جیسا کہ تمہید میں گزرا۔ اس واسطے تطبیق دینے کو محققین ترجیح دیتے ہیں۔

مختلف روایات، مختلف صورتِ حال کی نشاندہی کرتی ہیں

اس وضاحت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اختلافِ روایات، کسی روایت کے ضعیف یا موضوع ہونے کی دلیل نہیں ہوتی بلکہ مختلف روایات میں مختلف صورتِ حال کی نشاندہی ہوتی ہے۔

اسی طرح یہاں بھی کسی روایت کے اندر شعب بنی ہاشم میں حضرت علی المرتضیٰ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، ج ۲ ص ۱۷۰۔۱۷۱، مطبوعہ قاسم پبلی کیشنز، اردو بازار، کراچی

رضی اللہ عنہ کی ولادت کا ذکر ہے۔ [1]

اسی طرح ایک روایت میں جناب ابوطالب کے گھر میں پیدائش ہونے کا ذکر ہے۔ [2]

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کے بارے مختلف روایات میں عمدہ تطبیق

پہلی اور دوسری روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا شعبِ بنی ہاشم میں جناب ابوطالب کے گھر پیدا ہونے کا ذکر ہے اور ان کے علاوہ تیسری روایت میں کعبہ کے اندر پیدائش ہونے کا ذکر ہے۔ اب ان میں تطبیق یوں ممکن ہے شعب بنی ہاشم خانہ کعبہ کے ساتھ ہی ہے۔ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کعبہ کے اندر پیدائش ہوئی تو آپ کے لیے اور آپ کی والدہ محترمہ کے لیے گھر سے ایسا ساز وسامان جس کے ذریعے آپ کو فوراً گھر لے جایا جا سکے۔ لانے میں کوئی دیر نہ لگی جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ کا گھر حرم کے قریب تھا اور دوسری وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ خانہ کعبہ کے نظام کی ذمہ داری اور دیکھ بھال چونکہ اس وقت اسی خاندان کو میسر تھی جس کے باعث بہت جلد واپس گھر لے جانے کا بندوبست ایک معقولی امر تھا کہ اس طرح کے واقعات ان کے سامنے رونما ہوتے رہتے تھے اور وہ اس کی ذمہ داری کو نبھانا خوب سمجھتے تھے اور ویسے بھی وہ دن ۱۳ رجب المرجب کا تھا، جو ان لوگوں کے نزدیک بڑا لائق عظمت دن تھا۔ اور اس میں کثیر تعداد میں مرد و زن شرکت کو باعثِ برکت سمجھتے تھے اور ایسے دنوں کے انتظامات کو منتظمین افراد بہ خوبی سمجھتے ہیں۔ جیسا آج کل بزرگوں کے عرسوں کے مواقع پر کثیر تعداد میں سالکین کے لیے منتظمین حصولِ برکت کی خاطر سر توڑ درستگیِ انتظام کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اور خانہ

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۵ ص ۴۴۸، رقم الحدیث: ۵۰۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ج ۴۲ ص ۵۷۵، دار الفکر بیروت

[2] رحلۃ ابن جبیر، اعتبار الناسک فی ذکر الآثار الکریمۃ والمناسک مسجد مولد النبی، ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت

کعبہ تو اللہ تعالیٰ کا ایسا گھر ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر رکھی ہے تو اس کے منتظمین من حیث الانتظام منشاءِ خداوندی کے خلاف نہیں ہو سکتے۔

مولد حقیقی اور مولد عرفی میں فرق

جب سردار خاندان سے تعلق رکھنے والی ہستی کعبہ میں پیدا ہوئی تو آپ کو فوراً گھر بڑے پوشیدہ طریقے سے لے جایا گیا جیسا اس خاندان کی عظمت و شرافت تھی۔ تو آپ کی جائے ولادت اس اعتبار سے شعب بنی ہاشم مشہور ٹھہری۔ یعنی ایک جائے ولادت حقیقی ہے اور وہ کعبہ ہے اور دوسری عرفی ہے جسے جناب ابوطالب کے گھر پیدا ہونے یا شعب بنی ہاشم میں پیدا ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ البتہ سب کو حقیقی مولد سمجھنا امر محال کا استلزام ہے۔ جیسے پیدائش کسی کی ہسپتال میں ہو لیکن جنم پرچی وغیرہ پر اس کے خاندان کے گھر کا پتا لکھا جاتا ہے۔

مولد حقیقی وعرفی کی نظیر

کبھی ولادت باسعادت کے مقام میں اختلاف کے وقت یوں بھی تطبیق دی جاتی ہے کہ ایک مقام میں آپ کی ولادت ہوئی اور دوسرے مقام میں آپ کی پرورش ہوئی۔ چنانچہ استاذی واستاذ العلماء فضیلۃ الشیخ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری برکاتی علیہ الرحمہ غنیۃ الطالبین کے دیباچہ میں حضور محی الدین محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تاریخِ ولادت باسعادت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

۴۷۰ھ/ ۱۰۷۸ء کو شمالی فارس میں بحیرۂ خزر (کیسپین) کے جنوبی ساحل پر گیلان نامی زرخیز صوبہ کی ایک بستی نیف میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یاقوت حموی نے اس بستی کا نام بُشْتِیر بیان کیا ہے، بستانی نے اپنے دائرۃ المعارف میں یوں تطبیق دی ہے کہ ایک بستی میں ولادت اور دوسری میں پرورش ہوئی ہوگی۔ [1]

---

[1] عبدالنبی کوکب، علامہ شاہ جیلانی (رضا اکیڈمی لاہور) ص ۱۹، بحوالہ مقدمہ غنیۃ الطالبین، ص ۲۵، مطبوعہ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور

یہ بات پیش نظر رہے کہ ہم نے مولد حقیقی اور مولد عرفی کے الفاظ میں تقسیم، عباراتِ مختلفہ کے پیش نظر رکھ کر کی ہے کہ ان کے ماخذ تاریخی لحاظ سے مستند ہیں اور راہِ تطبیق و توفیق ان میں بہتر ہے۔

ایک اشکال اور اس کا حل

اب اگر کوئی سطحی نظر رکھتے ہوئے اعتراض کرے کہ مولد حقیقی اور مولد عرفی کی تقسیم کا تصور اس زمانے میں نہ تھا؟ اسی طرح پیدائش ہسپتال میں اور جنم پرچی گھر کے پتے پر یہ اس دور میں نہ تھا؟

ہم جواباً گزارش کرتے ہیں کہ ہم مدارس عربیہ میں روزمرہ کی تدریس میں کئی ایک اصطلاحات سے مستند احکام اور عقائد پر مبنی احادیث مبارکہ کے مفاہیم و مطالب میں بحث کرتے ہیں۔ اصول حدیث اور اصول فقہ کے علوم وفنون پوری آب و تاب سے سطورِ بحث میں بھرتی کرتے ہیں۔ تفصیل میں کیا جانا ہے جب مدارس میں کسی بھی فنی کتاب کا آغاز کراتے ہیں تو استادمحترم کتاب کے شروع میں لکھی ہوئی: ''بسم اللہ'' اور ''الحمد للہ'' پر بحث فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے: ''**کل أمر ذی بال لم یبدا ببسم الله فهو ابتر**'' یعنی ہر ذی شان کام جس کا آغاز بسم اللہ شریف سے نہ ہو تو وہ کام ادھورا رہتا ہے اور دوسری حدیث مبارک میں آیا: ''**کل أمر ذی بال لم یبدا بحمد الله فهو اقطع و أجزم**'' یعنی ہر وہ ذی عظمت کام جس کا آغاز الحمد للہ سے نہ ہو تو وہ کٹا ہوا بے برکت ہوتا ہے۔

اب اچھے کام کے آغاز اور شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کا حکم بھی آیا ہے اور الحمد للہ کا حکم بھی آیا ہے۔ اب دونوں حدیثوں میں بظاہر ٹکراؤ ہے کہ ایک کو مانا جائے تو دوسری حدیث شریف پر عمل نہیں ہوسکتا دوسری کو مانا جائے تو پہلی حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا، اس مشکل کو حل فرمانے کے لیے علماء عظام اور محدثین کرام علیہم الرحمہ نے ایک اصطلاح قائم فرمائی جس کے ذریعے اس مسئلہ کا حل فرمایا۔ وہ اصطلاح یہ ہے کہ ایک ہوتی ہے ابتداً حقیقی جو سب سے پہلے ہو، ایک ہوتی ہے ابتدائی اضافی جو کچھ سے پہلے ہو خواہ

اس سے پہلے کوئی ہو یا نہ ہو اور ایک ہوتی ہے ابتداءعرفی جو مقصود اصلی سے پہلے ہو۔ یعنی ابتداء کی تین قسمیں فرمائیں۔ بسم اللہ شریف کی ابتداء حقیقی ہے کہ سب سے پہلے ہے، الحمدللہ کی ابتدا اضافی ہے کہ بعد والے کی نسبت سے پہلے ہے اگرچہ بسم اللہ شریف کے بعد ہی ہے اور بسم اللہ اور الحمدللہ ان دونوں کی ابتداءعرفی ہے کہ مقصود کلام سے پہلے یہ دونوں ہی ہیں۔ اب اگر کوئی سطحی نظر والا دوست یہاں اعتراض کرے کہ یہ تقسیم کہاں لکھی ہوئی ہے اور اس تقسیم کا اس دور میں تصور نہ تھا، تو اس دوست سے گزارش کی جائے گی کہ یہ تقسیم خود مفہومِ احادیث سے معلوم ہو رہی ہے جسے محدثین کرام نے وضع فرمایا اسی طرح مولد حقیقی اور مولد عرفی والی تقسیم کا کہیں لکھا ہوا ہونا ضروری نہیں بلکہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس تقسیم کی بنیاد کس مفہوم پر ہے اور ہم نے اس مفہوم کی گزشتہ مختلف عبارات میں تطبیق کیسے دی ہے جس سے یہ سوال بآسانی سمجھ آجائے گا، جس میں شرط تسلیم و دیانت ہے ورنہ تطبیق و موافقت سے بڑھ کر کون سا راستہ بہتر ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ مثال ممثل لہ کی وضاحت کے لیے ہوتی ہے ہسپتال کی مثال اس دور کا عین نقشہ نہیں بلکہ مولد حقیقی اور مولد عرفی کی تقسیم کو سمجھانے کے لیے ہے (میرے بھائی خوب غور فرمائیے)۔

جزاك الله احسن الجزاء

تطبیق کا ماخذ اور شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کا مولود کعبہ کی روایت پر مفصل کلام

اس تطبیق سے تینوں روایات اپنے اپنے مقام کے مطابق درست ٹھہریں اب اس تطبیق کا ماخذ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تحفہ اثنا عشریہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

روایتِ مشہور اس طرح پر ہے کہ اہلِ جاہلیت کا معمول تھا کہ پندرھویں رجب کو کعبہ کا دروازہ کھولتے تھے اور زیارت کے لیے کعبہ کے اندر جاتے تھے اسی تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ اس لیے اس دن کو ''یوم الاستفتاح'' اور روزۂ مریم

کہتے ہیں۔ مشائخ نے اس دن کے اوراد واذکار مقرر کیے ہیں اور یہ بھی اس وقت معمول ہوتا تھا کہ اس سے ایک دو دن پہلے عورتیں خانہ کعبہ کے اندر زیارت کو جاتی تھیں۔ اتفاقاً جس دن عورتوں کی زیارت کی باری تھی فاطمہ بنتِ اسد نے بھی مدتِ حمل تمام ہو جانے کے باوجود زیارت کا ارادہ کیا کہ یہ دن سال بھر میں ایک دفعہ آتا ہے۔ دشواری کے عالم میں جیسے تیسے اپنے آپ کو درِ کعبہ تک پہنچایا۔ کعبہ کا دروازہ اس زمانے میں قدِ آدم اونچا تھا۔ جیسا کہ اب بھی ہے لیکن اس وقت، زینہ سیڑھیاں نہ تھیں عورتوں کو ان کے مرد بہ حرکتِ عنیف اور سختی سے چڑھاتے تھے اب اس کا زینہ بچوں کی گاڑی کی طرح بنایا گیا ہے۔ ضرورت کے وقت کھینچ کر کعبہ کے دروازے کے ساتھ متصل رکھ دیتے ہیں۔ پھر اسی حرکتِ عنیف میں ان کو دردِ زہ اٹھا یہ خیال کرتے ہوئے آپ نے پرواہ نہ کی کہ ایک لمحہ بعد تسکین ہو جائے گی زیارت سے محروم کیوں رہوں؟ جس وقت کعبہ کے دروازہ پر آئیں پے در پے دردِ زہ ہونے لگا اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت ہوگئی۔ [1]

مولود کعبہ کے بارے تین روایات میں صحیح روایت

اس روایت کے ماقبل و مابعد شیعہ کی روایات مذکور ہیں، اس روایت سے ماقبل روایت کے بارے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے فرمایا: ''واہی محض ومخالف تواریخ ست'' اور بعد والی تیسری روایت کو الزاماً جواب کے ذریعے رد کر دیا اور حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کی ولادت کو بھی ثابت مانا۔ اصل عبارت یوں ہے:

''دوازدہم آنکہ آنچہ در قصۂ ولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام ذکر کردہ واہی محض و مخالف تواریخ ستِ زیرا کہ در تولد حضرت عیسٰی اختلاف بسیار ست مشہور آنست کہ تولد ایشان در بیت اللحم است و بعضے گویند بفلسطین و بعضے گویند بمصر و بعضی گویند بدمشق و کسے از مورخین این نگفتہ کہ حضرت مریم را دردِ زہ در

[1] تحفہ اثنا عشریہ، کید ہشتاد و ہفتم ۸۷ صفحہ ۷۹، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور

مسجد بیت المقدس لاحق شده بود و اگر بفرض اینهم بوده باشد پس
این از کجا که ایشان را بوحی از مسجد بیرون کردند بلکه نص قرآنی
دلالت صریح مے کند که ایشان را اضطرار درد بر آن آورد که بر چیزی
تکیه نمایند و بسبب آنکه علوق حضرت عیسیٰ علیه السلام بے پدر شده
بود از اظهار این امر در مردم عار داشتند ناچار بصحرا زدند و ویرانه
جستند و تنه درخت را تکیه گاه ساختند و چون دریں حالت بصحرا
رفتن و بی استعانت بکسی وضع حمل نمودن خیلی دشوار آمد بی
اختیار آرزوے موت نمودند قوله تعالیٰ: فا جاء ها المخاض الی جذع
النخلة قالت یا لیتنی مت قبل هذا و کنت نسیًا منسیا۔ ترجمه یعنی رسانید
مریم را درد زه بسوے تنۂ خرما گفت کاش من می مردم پیش ازین و می
شدم فراموش از یاد رفته و آنچه گفته است که فاطمه رضی اللّٰه عنہا بنت
اسد را وحی آمد که در خانۂ کعبه برود و وضع حمل نماید دروغی است پر
بے مزه زیرا که کسے از فرق اسلامیه و غیر اسلامیه قائل به نبوت فاطمه
رضی اللّٰه عنہا بنت اسد نشده حجاج چه قسم این را مسلم مے داشت و
روایت مشهور چنین ست که معمول اہلِ جاہلیت بود که روز پانزدہم
رجب در کعبه را می کشادند و براے زیارت درون آن خانۂ مبارک در می
آمدند و تولد حضرت عیسیٰ نیز در ہمان تاریخ واقع شده و لہذا آن روز را
یوم الاستفتاح گویند دردزۂ مریم نیز خوانند و مشائخ براے آن روز اورا
دو اذکار مقرر کرده اند و معمول بود که قبل از ان بیک دو روز زنان زیارت
میکردند اتفاقًا روز زیارت زنان فاطمه رضی اللّٰه عنہا بنت اسد نیز
باوجود آنکه مدت حمل تمام کرده بود براے زیارت قصد نمود و چون این
روز در تمام سال یکبار اتفاق مے افتاد باوصف دشوارے حرکت خود را
بکمال رنج و مشقت تا در کعبه رسانید و دروازه کعبه در آنزمان از زمین

بمقدار یک قد آدم بلند بود چنانچه حالا ہم ہمین قسم است لکن در آنزمان زینه پایۂ نداشت وزنان را مردان آنہا بحرکت عنیف برمے آوردند وحالا زینه پایۂ از چوب بصورت کردانک اطفال درست کرده گذاشته اندو در وقت حاجت آنرا کشیده متصل در کعبه می نہند درین حرکت عنیف اورا دردزه پیدا شده پنداشت که بعد ساعتی این درد تسکین خواہد پذیررفت از زیارت چرا محروم شود ہمین که در کعبۂ در آمد طلق بر طلق و درد پے درپے و آمدن گرفت و تولد حضرت امیر واقع شد و در روایات شیعه بطور دیگر دیده شد که ابوطالب بجہت شدت درد و امتداد زمان عدم تولد مایوس شده برائے استشفا درون کعبه داخل کرد الله تعالٰی فضل خود فرمود که زود تولد شد در کتب شیعه این روایت را از حضرت امام زین العابدین رضی اللّٰه عنه آورده اند که فرمود (اخبرتنی زبدة بنت عجلان الساعدية عن ام عمارة بنت عباد الساعدية انها قالت كنت ذات يوم فی نساء من العرب اذا قبل ابوطالب كثيبا فقلت له ما شانک قال ان فاطمه بنت اسد فی شدة من الطلق وانها لا تضع ثم انه اخذ بيدها و جاء بها الی الكعبة فدخل بها وقال اجلسے علی اسم اللّٰه فجلست وطلقت طلقة فولدت غلاما نظيفًا فسماه ابوطالب عليا) ترجمه : گفت بودم یک روزی در چند زنے از عرب ناگاه پیش آمد ابوطالب غمگین پس گفتم او را چیست حال تو گفت بدرستیکه فاطمه رضی اللّٰه عنہا بنت اسد در شدت درد زه است واو بچه نمیدہد باز ابوطالب گرفت دست او و آورد او را بسوے کعبه پس داخل کرد او را گفت به نشین بر نام خدا پس نشست و درد آورد و روے پس بزاد بچۂ پاکیزۂ پس نام کرد او را ابوطالب علی رضی اللّٰہ عنہ بالجمله اگر وضع و تولد در خانۂ کعبه موجب تفضیل حضرت امیر رضی اللّٰہ عنہ بر حضرت عیسٰی باشد بر پیغمبر خود نیز خواہد بود و ہیچ کس از سنی

و شیعه بایں قائل نیست و ایضاً در تواریخ صحیحه ثابت است که حکیم بن حزام بن خویلد ہم که برادر زاده اُم المومنین رضی الله عنها حضرت خدیجه کبریٰ بود در کعبه متولد شده پس باید که حکیم بن حزام نیز افضل باشد از حضرت عیسیٰ بلکه از جمیع پیغمبران و شناعت این لازم پوشیده نیست''۔

اولاً اس عبارت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ پہلا واقعہ شیعہ کی طرف سے ہے جس میں آتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آپ کی والدہ کو حکم ملا۔ اے مریم! میرے گھر (بیت المقدس) سے نکل جا۔ لیکن جب مولیٰ علی کی ولادت کا وقت آیا تو آپ کی والدہ کو حکم ہوا اے فاطمہ اندر آ جا۔ پھر یک لخت دیوارِ کعبہ شق ہوئی اور جناب فاطمہ اندر چلی گئیں۔

اسی کے بارے شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ''واهی محض و مخالف تواریخ ست'' فرمایا۔ اور اس سے آگے آنے والے دوسرے واقعہ کے ساتھ ''روایت مشہور چنیں ست'' کے الفاظ ہیں جس میں صراحۃً روایت مشہور کا بیان ہے اور یہ چونکہ پہلے واقعہ کے مقابلہ میں ہے اس واسطے واھی اور مخالف تواریخ کا حکم اس پر عائد نہیں ہوگا، اور پھر اس مشہور روایت میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا زینہ سیڑھیاں کا تبصرہ فرمانا بھی اس واقعہ کو تسلیم کرنے پر دلالت ہے۔ اختصاراً یہ کہ اس واقعہ میں اور ماقبل واقعہ میں فرق ہے۔ پہلے واقعہ کے ساتھ واھی اور مخالف تواریخ کہا گیا اور اس مشہور دوسری روایت والے واقعہ کو روایتِ مشہور چنیں است کہہ کر بیان کیا گیا۔

فتاویٰ رضویہ میں کس روایت پر جرح ہے اور کس پر نہیں؟

اس وضاحت سے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت بھی آ گئی۔ عبارت ملاحظہ ہو:

''آنچه گفته است که فاطمه بنت اسد رضی الله عنها را وحی آمد که در خانهٔ کعبه برو دو وضع حمل نماید دروغی است پر بے مزه زیرا که

کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد نشدہ حجاج چہ قسم این رامسلم مے داشت''۔

ترجمہ: یہ جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تُو خانہ کعبہ میں جا اور وہاں بچے کی پیدائش کر، یہ سب جھوٹ اور بے پر بات ہے کیونکہ کوئی بھی اسلامی اور غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں ہے، حجاج اس کو کس طرح تسلیم کر سکتا ہے۔(ت)[1]

اس عبارت میں بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح پہلی روایت کو رد فرمایا جس کو مخالف تواریخ اور واہی محض بولا گیا۔ لیکن اس روایت کو رد کرنے سے دوسری ''روایت مشہورہ'' کا رد کس طرح ہو گیا؟

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کعبہ میں کیا لینے آئیں؟

دوسرا اس مشہور روایت کے بیان میں شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی طرف سے یہ وضاحت بھی آگئی کہ آپ کی والدہ ماجدہ خانہ کعبہ کیا لینے گئی تھیں؟ اگرچہ با اخلاق عورتیں ان دنوں میں نہیں نکلا کرتیں؟ لیکن وہ دن ایسے تھے کہ ان دنوں کو وہ باحیاء عورتیں اور دینِ ابراہیم پر رہنے والی خواتین حصولِ برکت کی خاطر ان خاص مقامات میں آیا کرتی تھیں۔

پیدائش کے وقت آپ کے والد گرامی موجود تھے

ثالثاً یہ جو کہا جاتا ہے کہ بوقتِ ولادت آپ کے والد جناب ابو طالب نہ تھے اس کی وضاحت بھی روایتِ مشہورہ میں آگئی کہ ''و زنانِ را مردان آنہا بحرکت عنیف برمی آوردند'' (اور عورتوں کو ان کے خاوند حرکتِ عنیف کے ساتھ چڑھاتے تھے) اور ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے خاوند جناب ابو طالب تھے اور جو سیرت نگار حضرات نے لکھا کہ جب آپ کی والدہ نے آپ کا نام حیدر رکھا اس وقت جناب

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۱۵ ص ۱۹۳، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ابو طالب موجود نہ تھے۔

آپ کی ولادت کے وقت والد گرامی کا موجود نہ ہونا اور نام رکھنے کے وقت موجود نہ ہونے میں فرق ہے

اس کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن نشین فرما لیجیے کہ یہ بات ہم کسی جگہ لکھی ہوئی نہیں پاتے کہ جب بھی زمانۂ جاہلیت میں بچہ پیدا ہوا ہو تو اسی وقت اس کے والدین اس کا نام شروع کر دیتے ہوں بلکہ یہ امر ممکن ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ نام رکھنا ضروری نہیں سمجھتے تھے رکھ لیں تب بھی ٹھیک ہے نہ رکھیں تب بھی ٹھیک ہے۔ اب اس وضاحت کے لیے چند امور پیشِ نظر کیے جاتے ہیں۔

(۱) شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی روایت مشہور میں وضاحت کے مطابق کہ وہ دن خصوصی تھا، سال کے بعد آتا تھا۔

(۲) اور اس کے علاوہ جناب ابو طالب کا خاندان انتظام وانصرام کرنے والا تھا۔

(۳) اور حضرت فاطمہ بنت اسد نے بیٹا جنا ہوا تھا۔ آپ کو گھر لے جانے کا بندوبست کیا جا رہا تھا، اور آپ کی دیکھ بھال کے لیے کوئی ساز وسامان بھی درکار تھا۔

(۴) اس دن کے دو دن بعد ۱۵ رجب المرجب کو مردوں کے اکٹھا ہونے کا پروگرام تھا جس کے لیے عموماً تیاری کرنا درکار ہوتی ہے۔

ان امور کو اگر پیشِ نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھ آتی ہے کہ ایسے ماحول میں نام رکھنے کو ضروری سمجھ لینا درست نہیں بلکہ ایسی صورت حال کے مطابق نام رکھنے کو مؤخر کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا ایسے مواقع میں جناب ابو طالب مکہ سے باہر گئے ہی کیوں؟ جبکہ آپ کے گھر بچے کی پیدائش کا وقت قریب ہے۔ اور عورتوں کے لیے زیارتِ کعبہ کا وقت بھی آ پہنچا تھا۔ جس میں مرد اپنی بیویوں کو کعبہ کے اندر چڑھاتے تھے۔ اور اس کے دو دن بعد ہی مردوں کے سالانہ اکٹھا ہونے کا دن ہے اور آپ کا خاندان بھی انتظام وانصرام سے متعلق ہے جس میں آپ حضرت عبد المطلب کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے زیادہ ذمہ داری

کے حامل تھے۔

لہٰذا سیرت نگار حضرات اور دیگر محدثین کرام نے جو یہ جملہ ارشاد فرمایا تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی والدہ نے گھر پہنچ کر انہی دنوں میں یا ان دنوں کے بعد آپ کا نام حیدر رکھا جبکہ جناب ابوطالب گھر سے باہر کچھ گھر والوں کے لیے ضرورت کے پیشِ نظر کام کو گئے ہوئے تھے۔ جب واپس آئے تو والدہ نے بتایا کہ میں نے ان کا نام حیدر رکھا ہے۔ تو آپ نے ان کا نام ''علی'' رکھ دیا۔

یہ امر تو معقولی ہے کہ بوقت ولادت آپ موجود ہوں اور پیدائش در کعبہ کے بعد آپ کو گھر لے گئے ہوں اور پھر آپ کا نام رکھا گیا ہو، لیکن یہ معاملہ عقل میں نہیں آتا کہ بوقتِ ولادت فوراً آپ کا نام رکھنا شروع کر دیا ہو حالانکہ اس وقت کے معاملات گزشتہ وضاحت کے مطابق بہت زیادہ تھے۔ جن میں جناب ابوطالب کا موجود ہونا ضروری تھا۔ لہٰذا نام رکھنے کے وقت موجود نہ ہونا جناب ابوطالب کا بوقت ولادت نہ پائے جانے کو ثابت نہیں کرتا۔

اور اگر خواہ مخواہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت جناب ابوطالب کو غائب کرنا مقصد ہے تو اس ضد پر کیا دلیل ہے؟ اور اس کا فائدہ ہی کیا ہے؟ جبکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کی صراحت اس کے برعکس ہے۔ اور اس وقت وجودِ ابوطالب کو ثابت کر رہی ہے۔

خیال رہے کہ روایات و احکام میں رجوع و نسخ ممکن ہے البتہ واقعات میں نسخ و رجوع ہرگز نہیں پایا جاتا۔ کما مصرح فی الاصول

خلاصۂ کلام

گزشتہ گفتگو کا ہمارے سامنے خلاصۂ کلام یہ سامنے آیا کہ ہم اہلسنّت و جماعت کے نزدیک صحابہ کرام میں سے ہر ایک عزت وشان کے لائق ہے۔ البتہ ہم خلفاءِ راشدین کو بہ ترتیبِ خلافت افضل مانتے ہیں۔ [1]

[1] شرح فقہ الاکبر، ص ۶۳، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی، مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا ایک تاریخی واقعہ ہے جس کا نہ تو عقائد سے تعلق ہے اور نہ ہی احکام سے کوئی واسطہ، زیادہ سے زیادہ عقیدت و محبت کا کوئی نکتہ بن سکتا ہے۔ سو جس طرح حضرت حکیم ابن حزام کی کعبہ میں ولادت ہوئی۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں ولادت ہوئی۔ ایک ممکن امر ہے جس کی نظیر کا پایا جانا بھی ممکن ہے۔ اور ایسے تاریخی واقعات کا ثبوت، حدیثِ ضعیف سے تو درکنار بزرگوں کے اقوال سے بھی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ہمارے لیے سند کثیر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس کو ماننے کے لیے اس قدر شہرت کافی ہوتی ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بڑے فضائل ہیں لیکن کسی بھی ایک فضیلت سے آپ کا شیخین کریمین رضی اللہ عنہما پر افضل ہونا ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ یہ اہل سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔[1]

اور نہ ہی جناب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو کسی اور صحابی کی فضیلت و افضلیت کے پیشِ نظر برا بھلا کہنا جائز ہے۔ اور ایسی فضیلت بیان کرنا کہ جس سے کسی دوسرے صحابی کی تنقیص مقصود ہو تو ایسی فضیلت بیان کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسی فضیلت جس میں تنقیص کا شائبہ ہو وہ تو انبیاء کرام کے بارے بھی ناجائز ہے۔[2]

''لم یثبت'' اور ''لم یصح'' کے الفاظ سند کے اصلاً معدوم ہونے پر دلیل نہیں

جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کا مسئلہ اگر ضعیف روایت سے ہے تو یہاں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ''لم یثبت اور لا یصح'' کے الفاظ اصلاً سند کے عدم پر دلیل نہیں ہوتے محض سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کرنے کے باعث ضعیف کہا جا سکتا

(بقیہ صفحہ سابقہ) اول، حصہ چہارم، ص ۱۳۰، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ

[1] فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۵۸۱، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور، مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، حصہ چہارم ص ۵۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ

[2] شرح الفقہ الاکبر للملا علی قاری، ص ۱۹۵، مطبوعہ مکتبہ محمودیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ، ص ۱۱۴، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ، کراچی

ہے۔[۱] تاہم اگر روایت ضعیف ہوتو پھر بھی ایسے تاریخی واقعات میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے اور حدیث ضعیف منکر ہو یا بلاسند ہو فضائل و مناقب میں معتبر ہے۔[۲]

خیال رہے کہ کسی ایک صحابی کی فضیلت کسی دوسرے صحابی کی فضیلت کو مانع نہیں اسی طرح جناب حکیم ابن حزام کی پیدائش در کعبہ حضرت علی المرتضیٰ کے مولود کعبہ ہونے کے منافی نہیں کیونکہ منافات کہتے ہیں دو مخالف چیزوں کا ایک نقطہ پر ٹکرانا اور وہ یہاں نہیں ہے۔ پھر یہ ہے کہ حدیث ضعیف تلقی بالقبول سے درجہ حسن تک ترقی کرتی ہے اور آپ کے مولودِ کعبہ ہونے کی روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔ پھر یہ کہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا ثبوت مستدرک سے تلخیص ذہبی کی تائید کے ساتھ ہے اور تلخیص ذہبی میں بغیر جرح و نقد کے روایت آجائے تو وہ روایت مانی جائے گی۔ ''کما فی بستان المحدثین و الفتاوی الرضویة، و تدریب الراوی''۔

مولود کعبہ کی روایات کے بارے نگاہِ محبت

سو نگاہِ محبت و عقیدت سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ منبعِ ولایت کی ولادت در کعبہ کا ثبوت، اقوالِ بزرگانِ دین سے بھی ہے۔ احادیث ضعیفہ سے بھی ہے اور تلقی بالقبول کے باعث حدیث حسن سے بھی ہے۔ اور بہ قول ذہبی تواتر اخبار سے بھی ہے۔ اس میں تو آپ کی اور عظمت ظاہر ہوئی۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی مولود کعبہ کے بارے۔۔ والہانہ عقیدت

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا مولودِ کعبہ ہونا باعثِ عظمت ہو سکتا ہے لیکن اس سے بڑھ کر باعثِ عظمت وہ بات ہے جو حضور قیومِ زمان مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی

---

[۱] فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۴۴۲، ۵۴۹، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور، تحفۃ الطلبۃ للعلامۃ عبدالحی اللکھنوی، ص ۷، مطبوعہ ایچ۔ ایم سعید کمپنی، کراچی

[۲] قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، فصل الحادی والعشرون، ج ۱ ص ۱۷۸، مطبوعہ دار صادر، مصر

علیہ الرحمہ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں بیان فرماتے ہیں:

’’ورا ہیست کہ بقربِ ولایت تعلق دارد اقطاب و اوتاد و بدلا و نجباو عامۂ اولیاء اللہ بہمین راہ واصل اندو راہِ سلوک عبارت ازین راہ ست بلکہ جذبۂ متعارِفہ نیز داخل ہمین ست و توسط و حیلولت درین راہ کائن ست و پیشوائے واصلانِ این راہ و سرگروہِ اینہا و منبع فیض این بزرگواران حضرت علی المرتضیٰ ست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و این منصبِ عظیم الشان بایشان تعلق دارد، درین مقام گویا ہر دو قدم مبارکِ آن سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام بر فرقِ مبارک اوست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم و حضرت فاطمہ و حضرات حسنین رضی اللہ عنہم درین مقام باایشان شریک اند انگارم کہ حضرت امیر قبل از نشاۃ عنصری نیز ملاذ و ملجاء این مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشاۃ عنصری و ہر کرا فیض و ہدایت ازین راہ میر سید بتوسط ایشان می رسید چہ ایشان نزد نقطہ انتہائے این راہ اند و مرکزِ این مقام بایشان تعلق دارد‘‘۔

ترجمہ: دوسرا وہ راستہ ہے جو قرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے تمام اقطاب، اوتاد، ابدال اور نجباء، عام اولیاء اللہ سب اسی راستہ سے واصل ہوئے ہیں۔ راہِ سلوک اسی راہ سے مراد ہے بلکہ جذبہ متعارفہ بھی اسی میں داخل ہے اس راستہ میں واسطہ اور حیلولہ ثابت ہے اس راہ کے واصلوں کے پیشوا اور ان کے سرگروہ اور ان بزرگواروں کے فیض کا سرچشمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہیں اور یہ عظیم الشان مرتبہ انہی کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس مقام میں گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دونوں مبارک قدم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اس مقام میں ان کے ساتھ شریک ہیں۔ تمام جہاں کے ولی آپ کی روح کے واسطے سے ولی بنے۔ میرے خیال میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ (جنابِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) وجودِ عنصری یعنی پیدائش سے پہلے

بھی اسی مقام کی پناہ میں رہے ہیں جیسے کہ وجودِ عنصری کے بعد ہیں اور اس راہ سے جس کسی کو فیض و ہدایت پہنچتا ہے انہی کے وسیلہ سے پہنچتا ہے کیونکہ اس راہ کا اخیری نقطہ یہی ہیں اور اس مقام کا مرکز انہیں سے تعلق رکھتا ہے۔ [۱]

جب امام المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پیدائش سے قبل بھی اسی مرتبہ ولایت پر جلوہ افروز تھے تو مولودِ کعبہ ہونے سے آپ کی شانِ رفعت میں اضافہ ہی ہوا۔ آخر جگہ کی خصوصیت سے مستفیض ہونے کے لیے جوہر بھی عمدگی اور ولایت سے روشنا ہونا چاہیے۔

یہ بھی عجیب قدرت کا اعجاز ہے کہ مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کی پیدائش کعبہ میں ہوئی اور آنکھ کعبہ کے کعبہ کی گود میں جا کر کھولی۔ [۲]

آپ کے قطب الارشاد ہونے پر قاضی ثنا اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ کی عقیدت

امام المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پیدائش سے پہلے ولی ہونا جناب آدم علیہ السلام کے ظہور سے ثابت ہے چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری رحمۃ اللہ علیہ ''السیف المسلول'' میں رقمطراز ہیں:

''صاحب این منصب عالی را امام و قطب ارشاد بالاصالۃ نیز خوانند و این منصب عالی از وقت ظهور آدم علیه السلام بروح پاک علی مرتضیٰ کرم الله وجهه مقرر بود که پیش از نشاۃ عنصری آنحضرت هم درامم سابقه هر کرا درجه ولایت میرسد بتوسط روح پاک آنحضرت میرسد و بعد وجودِ عنصری تا وقت رحلت او از صحابه و تابعین همه را این دولت بتوسط او رسیده''۔

---

[۱] فتاویٰ رضویہ، ج ۵ ص ۵۸۱، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور، مکتوباتِ امامِ ربانی، دفتر اول، حصہ چہارم ص ۵۴، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ

[۲] فتاویٰ رضویہ، ج ۲۸ ص ۴۶۲، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترجمہ: اس بلند منصب والے کو امام اور قطب ارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور یہ (قطب ارشاد بالاصالۃ) کا عالی منصب حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کے وقت سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کو سونپ دیا گیا تھا کہ آپ کی پیدائش سے پہلے سابقہ امتوں میں جو کوئی درجۂ ولایت کو پہنچتا جناب علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے توسط اور وسیلے سے پہنچتا اور آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد تشریف لے جانے تک صحابہ وتابعین میں سے تمام کو یہ دولتِ ولایت آپ رضی اللہ عنہ کے توسط سے پہنچی ہے۔ [1]

اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی رقم فرمایا:

"و کان قطب ارشاد کمالات الولایۃ علی علیہ السلام ما بلغ أحد من الامم السابقۃ درجۃ الاولیاء الا بتوسط روحہ رضی اللہ عنہ"۔

ترجمہ: اور کمالاتِ ولایت سے قطب ارشاد کا مقام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تھا گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی درجۂ ولایت تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روح کے توسط کے بغیر نہیں پہنچا۔ [2]

سو ولی کی آمد سے کعبہ آلودہ نہیں ہوتا اور یہ خصوصیت حضرت حکیم ابن حزام کو حاصل نہیں لیکن اس سے ان کی شانِ رفعت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

روایات میں ایک اور تطبیق

اب محدثین کی گزشتہ گفتگو کو اگر اس پیرائے میں رکھا جائے تو یوں بھی تطبیق دی جا سکتی ہے کہ جن اعتبارات سے حضرت حکیم ابن حزام کا مولودِ کعبہ ہونا ثابت ہے۔ ویسا کسی اور کے لیے نہیں اور جو خصوصیات واعتبارات جناب مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مولودِ کعبہ ہونے میں ثابت ہیں وہ کسی اور کے لیے نہیں ہیں۔ اس محبت بھری تطبیق سے جانبین کے

---

[1] السیف المسلول، ص ۲۲۹، ۲۳۰، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی ۱۲۶۸ھ

[2] تفسیر مظہری، ج ۱ ص ۵۳۳، سورۃ آلِ عمران: ۱۱۰، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

کلام میں موافقت پیدا ہوگئی اور ہر ایک کے کلام کا عمل سامنے آگیا۔ اگر شیعہ لوگ جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے کی وجہ سے آپ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہیں تو یہ ان کی جہالت ہے جس طرح شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے اس بارے من گھڑت واقعہ کا رد کیا اور صحیح واقعہ کو بیان کیا ہمیں بھی اسی طرح صحیح واقعہ کو ماننے کے اندر دریغ نہ کرنی چاہیے اور صحیح واقعہ کو یہ کہتے ہوئے رد نہیں کر دینا چاہیے کہ ''شیعہ اس سے شیخین پر افضلیت کی دلیل پکڑتے ہیں'' تو کیا ہم جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی باقی فضیلتیں بھی اسی طرح ماننے سے انکار کر دیں گے آپ کے فاتحِ خیبر ہونے سے جب شیخین کریمین پر فضیلت ظاہر نہیں ہوتی تو مولودِ کعبہ کے ہونے سے کیوں ظاہر ہوگی؟ اور ہم ان روافض سے متاثر ہو کر کیوں متعصب ہوں؟ ہر ایک صحابی کی فضیلت سے دوسرے صحابی کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی، اور افضلیت کا معیار اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک ترتیبِ خلافت پر ہے۔ کما مرّ

بندۂ ناچیز نے حتی الوسع دامنِ حق کو تھامتے ہوئے اور افراط و تفریط سے بالاتر ہو کر یہ چند سطور قارئین کی نظر کی ہیں تا کہ اتحاد بین المسلمین کی فکر کو پروان چڑھایا جا سکے اور ہمیں اب ایسے مسائل میں بحث و تمحیص کی بجائے جدید مسائل فقہیہ کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ جو روپیہ ایسے امور پر خرچ کر رہے ہیں اس سے قابل مدرسین کی معقولی خدمت کی جائے اور ان سے کتبِ درسیات پر حواشی اور ان کی شروح لکھوانی چاہئیں۔ بے سہاروں کا سہارا بنا جائے، ویلفیئر سوسائٹز قائم کی جائیں، لیکن سنیوں کا پیسہ، معیارِ استعمال میں نہ جانے وہ قوت کیوں نہیں رکھ رہا جو اس فرقۂ ناجیہ کی ہونی چاہیے۔

اہل سنت بہر قوالی و عرس   دیوبندی بہر تصنیفات و درس
خرچ سنی بر قبور و خانقاہ   خرچ نجدی بر علوم و درسگاہ

بڑی نشستوں پر بے نشستہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ہم ایسے مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے پر طعنہ زنی میں وقت برباد کر رہے ہیں۔ یہ معاملہ جانبین سے خیال کرنے والا ہے اور دونوں فریقوں کو ایسے مسائل سے قلم تھامنے کی ضرورت ہے۔ دل شکنی سے

معذرت کرتے ہوئے عرض گزار ہوں کہ جو اس میں درست بات پائیں تو وہ خدائے ذوالجلال کی توفیق اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر رحمت سے میرے والدین و مشائخ اور اساتذۂ کرام کی تربیت و دعا ہوگی اور جو غلطی ہو تو اس کا سزاوار مجھ کو ہی ٹھہرائیں بے شک شرِ نفس سے بچنا اسی کی توفیق سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ بالایمان فرمائے۔

"امین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" واللہ اعلم بالصواب

یا رب بالمصطفیٰ بلّغ مقاصدنا

واغفرلنا ما مضٰی یا واسع الکرم

طالب دعا

ضمیر احمد مرتضائی غفرلہ الباری

۲۳-۵-۲۰۱۲ بروز بدھ

(شعبہ دارالافتاء)

دارالعلوم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو، لاہور

دارالافتاء دارالعلوم نعیمیہ کراچی

چیئرمین رؤیت ہلال کمیٹی آف پاکستان مفکر اسلام قائد ملت اسلامیہ
محسن اہل سنت حضرت علامہ ومولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

سوال: کیا حضرت علی کی جائے ولادت کعبۃ اللہ شریف ہے؟ اور کیا یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے امتیازی فضیلت کا سبب ہے؟ (حافظ بابر رحمان، نکیال، آزاد کشمیر)

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت اعلانِ نبوت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں ہوئی۔ حکیم بن حزام کے متعلق بھی روایت مذکور ہے کہ وہ بھی کعبہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسلام میں بے شمار فضائل ہیں، تمام اہلِ ایمان کو اُن سے انتہائی عقیدت اور محبت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت مبارکہ کعبہ میں ہوئی ہے، ایسی روایات موجود ہیں اور یہ عہدِ جاہلیت یعنی زمانۂ قبل از اسلام کا واقعہ ہے۔ اس میں آپ کا تفرد نہیں ہے بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ حکیم بن حزام کی ولادت بھی کعبہ میں ہوئی۔

امام حاکم نیشاپوری بیان کرتے ہیں:

"ابوبکر محمد بن احمد بن بالویه حدثنا ابراهیم بن اسحاق الحربی حدثنا مصعب بن عبدالله فذکر نسب حکیم بن حزام وزادفیه وامه فاختة بنت زهیر بن اسد بن عبدالعزی وکانت ولدت حکیما فی الکعبة وهی حامل فضربها المخاض وهی فی جوف الکعبة فولدت فیها، فحملت فی نطع وغسل ما کان تحتها من الثیاب عند حوض زمزم ولم یولد قبله ولابعده فی الکعبة احد، قال الحاکم وهم مصعب فی الحرف الاخیر فقد تواترت الاخبار ان فاطمة بنت اسد ولدت أمیر

المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ فی جوف الکعبۃ"۔

ترجمہ: مصعب بن عبداللہ نے بیان کیا: انہوں نے حکیم بن حزام کا نسب بیان کیا اور اس میں یہ زیادہ فرمایا کہ ان کی والدہ فاختہ بنت زہیر بن اسد بن عبدالعزی کی بیٹی تھیں۔ انہوں نے حکیم کو کعبہ میں جنم دیا۔ وہ حاملہ تھیں، انہیں دردِ زہ ہوا، وہ وسطِ کعبہ میں تھیں، انہوں نے وہیں اسے جنم دیا۔ اس نے انہیں چمڑے میں لپیٹ کر اٹھایا اور اپنے کپڑے زمزم کے کنویں پر دھوئے۔ اُن سے پہلے اور ان کے بعد کوئی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ حاکم نے کہا: مصعب کو آخری جملے میں وہم ہو گیا، حالانکہ یہ روایات تواتر کے ساتھ منقول ہیں کہ فاطمہ بنت اسد نے امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو وسطِ کعبہ میں جنم دیا۔ [1]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

واز مناقب وے رضی اللہ عنه که درحین ولادتِ او ظاہر شد، یکے آں است که درجوفِ کعبه معظمة تولد یافت "قال الحاکم فی ترجمة حکیم بن حزام: وقول مصعب فیه لم یولد قبله ولا بعده فی الکعبة احد، مانصه حاکم وهم مصعب فی الحرف الاخیر، فقد تواترت الأخبار ان فاطمة بنت أسد ولدت أمیر المومنین علیا فی جوف الکعبة"۔

ترجمہ: اور اُن (حضرت علی) کے مناقب سے ایک یہ بات ہے جو اُن کی ولادت کے وقت ظاہر ہوئی کہ اُن کی ولادت کعبہ معظّمہ میں ہوئی۔ حاکم نے حکیم بن حزام کے حالات کے بارے میں کہا کہ: مصعب کا یہ کہنا کہ حکیم بن حزام سے نہ کوئی پہلے کعبہ میں پیدا ہوا اور نہ اس کے بعد۔ یہ مصعب کا وہم ہے، کیونکہ تواتر روایات سے ثابت ہے کہ فاطمہ بنت اسد نے امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کو وسطِ کعبہ میں جنم دیا۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ اگر یہ بات وجہ

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۴۸۳

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، ج ۲ ص ۲۵۱

فضیلت ہوتی اور خانۂ کعبہ میں ولادت حرمت کعبہ کے منافی نہ ہوتی تو اعلانِ نبوت کے بعد عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مسلمان خواتین یہ اعزاز حاصل کرنے کے لیے اپنے بچوں کی ولادت کے وقت خانہ کعبہ میں جاتیں۔ مگر خانہ کعبہ کی تقدیس کی وجہ سے شرعی حکم یہ ہے کہ حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں خانہ کعبہ کا طواف منع ہے۔ اگر کوئی حیض یا نفاس والی عورت یا مرد جنابت کی حالت میں طوافِ زیارت کرے تو اس جنابت کے نتیجے میں اُس پر بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہے۔

ہمارے علماء میں سے مفتی اقتدار احمد خان نعیمی نے اپنے دلائل سے اس واقعہ کا انکار کیا ہے۔ ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، نہ ہی یہ بحث ضروریاتِ دین میں سے ہے اور عہدِ جاہلیت کا ہر عمل شرعی حجت بھی نہیں ہے اور ہمارے نزدیک اس واقعے سے قطع نظر بھی اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت مسلم ہے، اُن سے عقیدت ہمارے ایمان کا حصہ ہے، اُن کا چوتھا خلیفہ راشد ہونا برحق ہے اور ان کے بعض امتیازی فضائل ہیں: وہ نسلِ نبوت کے امین ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابنِ عم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے داماد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پروردہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے محبوب ترین اہلِ بیت اور انتہائی جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ اَورع واتقی، اشجع اور اَعلم صحابہ میں سے ہیں۔

دار الافتاء جامعہ نعیمیہ
علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور پاکستان

الاربعین الجلی

فی

مناقب العلی

المعروف

شانِ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

اہل بیت اطہار سے محبت

(۱) ''عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ رَبِیْبِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ، فَدَعَا فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَّحُسَیْنًا رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ فَجَلَّلَهٗ بِكِسَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ، فَاَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِیْرًا. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ''۔ [۱]

ترجمہ: پروردہ ءِ نبی حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ آیت مبارکہ: ''اِنَّمَا یُرِیْدُ اللهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾'' (الاحزاب: ۳۳) اے اہل بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کردے اور تم کو خوب پاک وصاف کردے ﴿۳۳﴾ نازل ہوئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور ایک چادر میں چھپا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیچھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُنہیں بھی اپنی چادر میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ہر آلودگی کو دور کردے اور انہیں خوب پاک وصاف فرمادے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ [۲]

---

[۱] سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الاحزاب، ج ۵ ص ۳۵۱، رقم الحدیث: ۳۲۰۵، کتاب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی، ج ۵ ص ۶۶۳، رقم الحدیث: ۳۷۸۷، مسند احمد، ج ۶ ص ۲۹۲، المستدرک للحاکم، ج ۲ ص ۴۵۱، رقم الحدیث: ۳۵۵۸، ایضاً ج ۳ ص ۱۵۸، رقم الحدیث: ۴۷۰۵، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۵۴، رقم الحدیث: ۲۶۶۸، مسند احمد، فضائل الصحابۃ، ج ۲ ص ۵۸۷، رقم الحدیث: ۹۹۴

[۲] جامع الترمذی، کتاب التفسیر، ج ۲ ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

محبت اہل بیت اطہار کے بارے قیامت کے دن پوچھ

(۲) ''عَنْ اَبِیْ بَرْزَۃَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَنْعَقِدُ قَدَمَا عَبْدٍ حَتّٰی یَسْأَلَ عَنْ اَرْبَعَۃٍ عَنْ جَسَدِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ، وَعُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ، وَمَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہُ وَفِیْمَا اَنْفَقَہُ، وَعَنْ حُبِّ اَھْلِ الْبَیْتِ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ! فَمَا عَلَامَۃُ حُبِّکُمْ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکَبِ عَلِیٍّ۔ رَوَاہُ الطِّبْرَانِیْ فِی الْاَوْسَطِ''۔[۱]

ترجمہ: حضرت ابو برزۃ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی بندہ کے دونوں قدم اس وقت تک اپنی جگہ سے ہٹیں گے نہیں جب تک کہ اس سے چار چیزوں کے بارے سوال نہ کرلیا جائے، اس کے جسم کے بارے میں کہ اس نے اسے کس طرح کے اعمال میں بوسیدہ کیا؟ اور اس کی عمر کے بارے میں کہ کس حال میں اسے ختم کیا؟ اور اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے یہ کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ اور اہل بیت کی محبت کے بارے میں؟ عرض کیا گیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی (یعنی اہل بیت) محبت کی کیا علامت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شانے پر مارا (کہ یہ محبت کی علامت ہے) اس حدیث کو امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔[۲]

پنجتن پاک اہل بیت اطہار سے ہیں

(۳) ''عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ کُمْ (اٰل عمران:۶۱) دَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَلِیًّا وَفَاطِمَۃَ وَحَسَنًا وَّحُسَیْنًا فَقَالَ: اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلِیْ۔ رَوَاہُ

---

[۱] المعجم الاوسط، ج ۲ ص ۳۴۸، رقم الحدیث: ۲۱۹۱، مجمع الزوائد، ج ۱۰ ص ۳۴۶

[۲] جامع الترمذی، کتاب التفسیر، ج ۲ ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

مُسْلِمٌ وَّالتِّرْمَذِیُّ. وَقَالَ التِّرْمَذِیُّ: هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ''۔[1]

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیتِ مباہلہ: آپ فرمادیں: آؤ! ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ (آل عمران: ٦١)، نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، پھر فرمایا: اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔[2]

مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تخلیق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مٹی سے ہے

(۴) ''عَنِ ابْنِ بُرَیْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ فِیْ رِوَایَةٍ طَوِیْلَةٍ وَمِنْهَا عَنْهُ قَالَ: مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَنْتَقِصُوْنَ عَلِیًّا، مَنْ یَنْتَقِصْ عَلِیًّا فَقَدْ تَنَقَّصَنِیْ، وَمَنْ فَارَقَ عَلِیًّا فَقَدْ فَارَقَنِیْ، اِنَّ عَلِیًّا مِنِّیْ، وَاَنَا مِنْهُ، خُلِقَ مِنْ طِیْنَتِیْ وَخُلِقْتُ مِنْ طِیْنَةِ اِبْرَاهِیْمَ، وَاَنَا اَفْضَلُ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ، ذُرِّیَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ..... وَاِنَّهٗ وَلِیُّکُمْ مِّنْ بَعْدِیْ، فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللهِ! بِالصُّحْبَةِ اَلَا بَسَطْتَّ یَدَكَ حَتّٰی اُبَایِعُكَ عَلَی الْاِسْلَامِ جَدِیْدًا؟ قَالَ: فَمَا فَارَقْتُهٗ حَتّٰی بَایَعْتُهٗ عَلَی الْاِسْلَامِ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْمُعْجَمِ

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب: من فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ج ۴ ص ۱۸۷۱، رقم الحدیث: ۲۴۰۴، جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: ومن سورۃ آل عمران، ج ۵ ص ۲۲۵، رقم الحدیث: ۲۹۹۹، کتاب المناقب، عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، باب: (۲۱)، ج ۵ ص ۶۳۸، رقم الحدیث: ۳۷۲۴، مسند احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۱۸۵، رقم الحدیث: ۱۶۰۸، سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۷ ص ۶۳، رقم الحدیث: ۱۳۱۶۹۔ ۱۳۱۷۰، سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۵ ص ۱۰۷، رقم الحدیث: ۸۳۹۹، المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۱۶۳، رقم الحدیث: ۴۷۱۹

[2] جامع الترمذی، کتاب التفسیر، ج ۲ ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

الْاَوْسَطِ''۔[1]

ترجمہ: حضرت ابن بریدہ اپنے والد سے ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان لوگوں کا کیا ہوگا جو علی کی شان میں کمی کرتے ہیں (جان لو!) جو علی کو کمتر سمجھے اس نے میری شان میں کمی کی ہے اور جو علی سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوگیا۔ بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، اُس کی تخلیق میری مٹی سے ہوئی اور میری تخلیق ابراہیم کی مٹی سے، اور میں ابراہیم سے افضل ہوں۔ ہم میں سے بعض، بعض کی اولاد ہیں، اللہ تعالیٰ یہ ساری باتیں سننے اور جاننے والا ہے۔ وہ میرے بعد تم سب کا ولی ہے۔ (بریدہ بیان کرتے ہیں کہ) میں نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کچھ وقت عنایت فرمائیں اپنا ہاتھ آگے کیوں نہیں بڑھاتے تاکہ میں تجدیدِ اسلام کی بیعت کروں، (اور) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ ہوا یہاں تک کہ میں نے اسلام پر (دوبارہ) بیعت کرلی۔ اس حدیث کو طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔[2]

علی مجھ سے ہے میں علی سے ہوں

(۵) ''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، فِي رِوَايَةٍ طَوِيْلَةٍ مِنْهَا اِنَّ عَلِيًّا مِنِّي، وَاَنَا مِنْهُ وَهُوَ وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ بَعْدِيْ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ''۔[3]

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک طویل روایت میں بیان کرتے ہیں

---

[1] المعجم الاوسط، ج۶ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳، رقم الحدیث: ۶۰۸۵، مجمع الزوائد، ج۹ ص ۱۲۸

[2] جامع الترمذی، کتاب التفسیر، ج ۲ ص ۱۵۵، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

[3] جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، ج ۵ ص ۶۳۲، رقم الحدیث: ۳۷۱۲، صحیح ابن حبان، ج ۱۵ ص ۳۷۳، رقم الحدیث: ۶۹۲۹، المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۱۱۹، رقم الحدیث: ۴۵۷۹، سنن الکبریٰ للنسائی، ج ۵ ص ۱۳۲، رقم الحدیث: ۸۴۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۶ ص ۳۷۲۔ ۳۷۳، رقم الحدیث: ۳۲۱۲۱، مسند ابویعلیٰ، ج ۱ ص ۲۹۳، رقم الحدیث: ۳۵۵، المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۸ ص ۱۲۸، رقم الحدیث: ۲۶۵

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مسلمان کا ولی ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن ہے۔[1]

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور آپ سے بغض حضور سے بغض ہے

(۶) ''عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ أُوْصِيْ مَنْ آمَنَ وَصَدَّقَنِيْ بِوِلَايَةِ عَلِيِ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ، مَنْ تَوَلَّاهُ فَقَدْ تَوَلَّانِيْ وَمَنْ تَوَلَّانِيْ فَقَدْ تَوَلَّى اللهَ وَمَنْ أَحَبَّهُ فَقَدْ أَحَبَّنِيْ، وَمَنْ أَحَبَّنِيْ فَقَدْ أَحَبَّ اللهَ وَمَنْ أَبْغَضَهُ فَقَدْ أَبْغَضَنِيْ وَمَنْ أَبْغَضَنِيْ فَقَدْ أَبْغَضَ اللهَ۔ رَوَاهُ الْهَيْثَمِيُّ فِيْ مَجْمَعِ الزَّوَائِدِ''۔[2]

ترجمہ: حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی، اسے میں علی سے محبت کی وصیت کرتا ہوں۔ جس نے اُسے محبوب جانا اُس نے مجھے محبوب جانا اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ سے محبت کی، اور جس نے علی سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا، اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اُس نے اللہ سے بغض رکھا۔ اس حدیث کو امام ہیثمی نے مجمع الزوائد میں روایت کیا ہے۔[3]

---

[1] جامع الترمذی، ج ۲ ص ۲۱۲، ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

[2] مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۰۸۔۱۰۹، رقم الحدیث: ۶، التاریخ الدمشق الکبیر، ج ۴۵ ص ۱۸۱۔۱۸۲، کنز العمال، ج ۱۱ ص ۶۱۱، رقم الحدیث: ۳۲۹۵۸

[3] مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۰۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام حضرت مولیٰ علی لائے

(۷) ''عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ رِوَایَةٍ طَوِیْلَةٍ مِنْهَا عَنْهُ قَالَ: وَكَانَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ النَّاسِ بَعْدَ خَدِیْجَةَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ''۔ [1]

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ [2]

(۸) ''عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ بُعِثَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَصَلّٰی عَلِیٌّ یَوْمَ الثُّلَاثَاءِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ''۔ [3]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیر کے دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی اور منگل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ [4]

(۹) ''عَنْ اِسْمَاعِیْلَ بْنِ اَیَاسِ بْنِ عَفِیْفٍ الْكِنْدِیِّ عَنْ اَبِیْهِ، عَنْ جَدِّهٖ،

---

[1] مسند احمد، ج ۱ ص ۳۳۰، رقم الحدیث: ۳۰۶۲، السنۃ، ج ۲ ص ۶۰۳، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۱۹، الطبقات الکبریٰ، ج ۳ ص ۲۱

[2] مسند احمد، ج ۱، ص ۳۳۰، مکتبہ اسلامیہ، بیروت، لبنان

[3] سنن ترمذی، کتاب التفسیر، باب ومن سورۃ الاحزاب، ج ۵ ص ۳۵۱، رقم الحدیث: ۳۲۰۵، کتاب المناقب، باب مناقب اهل بیت النبی، ج ۵ ص ۶۶۳، رقم الحدیث: ۳۷۸۷، مسند احمد، ج ۶ ص ۲۹۲، المستدرک للحاکم، ج ۲ ص ۴۵۱، رقم الحدیث: ۳۵۵۸، ایضاً ج ۳ ص ۱۵۸، رقم الحدیث: ۴۷۰۵، معجم الکبیر، ج ۳ ص ۵۴، رقم الحدیث: ۲۶۶۸، مسند احمد: فضائل الصحابۃ، ج ۲ ص ۵۸۷، رقم الحدیث: ۹۹۴

[4] جامع الترمذی، ج ۲ ص ۲۱۴، ابواب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

قَالَ: كُنْتُ امْرَءًا تَاجِرًا، فَقَدِمْتُ الْحَجَّ فَأَتَيْتُ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لِأَبْتَاعَ مِنْهُ بَعْضَ التِّجَارَةِ وَكَانَ اِمْرَءًا تَاجِرًا، فَوَاللهِ إِنِّي لَعِنْدَهٗ بِمِنًى، اِذْ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنْ خَبَاءٍ قَرِيْبٍ مِّنْهُ فَنَظَرَ اِلَى الشَّمْسِ، فَلَمَّا رَاٰهَا مَالَتْ، يَعْنِيْ قَامَ يُصَلِّيْ قَالَ: ثُمَّ خَرَجَتِ امْرَاَةٌ مِنْ ذٰلِكَ الْخَبَاءِ الَّذِيْ خَرَجَ مِنْهُ ذٰلِكَ الرَّجُلُ فَقَامَتْ خَلْفَهٗ تُصَلِّيْ، ثُمَّ خَرَجَ غُلَامٌ حِيْنَ رَاهَقَ الْحُلُمَ مِنْ ذٰلِكَ الْخَبَاءِ، فَقَامَ مَعَهٗ يُصَلِّيْ قَالَ: فَقُلْتُ لِلْعَبَّاسِ: مَنْ هٰذَا يَا عَبَّاسُ؟ قَالَ: هٰذَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ابْنِ اَخِيْ قَالَ: فَقُلْتُ: مَنِ الْمَرْاَةُ؟ قَالَ: هٰذِهٖ اِمْرَاَتُهٗ خَدِيْجَةُ ابْنَةُ خُوَيْلِدٍ قَالَ: قُلْتُ: مَنْ هٰذَا الْفَتٰى؟ قَالَ هٰذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ اِبْنُ عَمِّهٖ قَالَ: فَقُلْتُ: فَمَا هٰذَا الَّذِيْ يَصْنَعُ؟ قَالَ: يُصَلِّيْ وَهُوَ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَلَمْ يَتْبَعْهُ عَلٰى اَمْرِهٖ اِلَّا اِمْرَاَتُهٗ وَابْنُ عَمِّهٖ هٰذَا الْفَتٰى وَهُوَ يَزْعَمُ اَنَّهٗ سَيُفْتَحُ عَلَيْهِ كُنُوْزُ كِسْرٰى وَقَيْصَرَ قَالَ: فَكَانَ عَفِيْفٌ وَهُوَ اِبْنُ عَمِّ الْاَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ يَقُوْلُ: وَاَسْلَمَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَسُنَ اِسْلَامُهٗ لَوْ كَانَ اللهُ رَزَقَنِيَ الْاِسْلَامَ يَوْمَئِذٍ، فَاَكُوْنَ ثَالِثًا مَعَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ ـ رَوَاهُ اَحْمَدُ" ـ [1]

ترجمہ: حضرت اسماعیل بن عفیف کندی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک تاجر تھا، میں حج کی غرض سے مکہ آیا تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے ملنے گیا تاکہ آپ سے کچھ مال تجارت خریدلوں اور آپ (رضی اللہ عنہ) بھی ایک تاجر تھے۔ بخدا میں آپ کے پاس منیٰ میں تھا کہ اچانک ایک آدمی اپنے قریبی خیمہ سے نکلا اس نے سورج کی طرف دیکھا، پس جب اس نے سورج کو ڈھلتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے لگا۔ راوی بیان

[1] مسند احمد، ج۱ ص۲۰۹، رقم الحدیث: ۱۷۸۷، الاستیعاب، ج۳ ص۱۰۹۶، الاحادیث المختارۃ، ج۸ ص۳۸۸، رقم الحدیث: ۴۷۹

کرتے ہیں: پھر اسی خیمہ سے جس سے وہ آدمی نکلا تھا ایک عورت نکلی اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوگئی پھر اسی خیمہ میں سے ایک لڑکا جو قریب البلوغ تھا نکلا اور اس شخص کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عباس! یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا: یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ بن عبد المطلب ہے۔ میں نے پوچھا: یہ عورت کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ان کی بیوی خدیجہ بنت خویلد ہے۔ میں نے پوچھا: یہ نوجوان کون ہے؟ انہوں نے کہا: یہ ان کے چچا کا بیٹا علی بن ابی طالب ہے۔ راوی کہتے ہیں: پھر میں نے پوچھا کہ یہ کیا کام کر رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: یہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ نبی ہیں حالانکہ ان کی اتباع سوائے ان کی بیوی اور اس چچا زاد نوجوان کے کوئی نہیں کرتا اور وہ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ عنقریب قیصر و کسری کے خزانے ان کے لیے کھول دیئے جائیں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں: عفیف جو کہ اشعث بن قیس کے بیٹے ہیں وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے بعد اسلام لائے، پس اس کا اسلام لانا اچھا ہے مگر کاش اللہ تبارک وتعالی اس دن مجھے اسلام کی دولت عطا فرما دیتا تو میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیسرا اسلام قبول کرنے والا شخص ہو جاتا۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ [۱]

اولیت اسلام میں عمدہ تطبیق

(۱۰) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: اَوَّلُ مَنْ صَلّٰى عَلِيٌّ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ قَدِ اخْتَلَفَ اَهْلُ الْعِلْمِ فِيْ هٰذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ عَلِيٌّ وَقَالَ بَعْضُ اَهْلُ الْعِلْمِ: اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَكْرٍ، وَاَسْلَمَ عَلِيٌّ وَهُوَ غُلَامٌ ابْنُ ثَمَانِ سِنِيْنَ، وَاَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ النِّسَآءِ خَدِيْجَةُ''۔ [۲]

---

[۱] مسند احمد، ج ۱ ص ۲۰۹، مطبوعہ الکتب الاسلامی، بیروت، لبنان

[۲] جامع الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب علی، ج ۵ ص ۶۴۲، رقم الحدیث: ۳۷۳۴

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا: سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور بعض نے کہا: سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اسلام لائے جبکہ بعض محدثین کا کہنا ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ وہ آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے اور عورتوں میں سب سے پہلے مشرف بہ اسلام ہونے والی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ [۱]

مولیٰ علی المرتضیٰ کا سیّدہ کائنات سے نکاح حکم خداوندی سے ہوا

(۱۱) ''عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اللهَ اَمَرَنِیْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیٍّ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْمُعْجَمِ الْكَبِيْرِ''۔ [۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کردوں۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں روایت کیا ہے۔ [۳]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان میں سے مولیٰ علی المرتضیٰ بہترین ہیں

(۱۲) ''عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اُمِّ اَيْمَنَ قَالَتْ: زَوَّجَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ

---

[۱] جامع الترمذی، ج ۲ ص ۲۱۴، ابواب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب، مطبوعہ مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان

[۲] المعجم الکبیر، ج ۱۰ ص ۱۵۶، رقم الحدیث: ۱۰۳۰۵، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۲۰۴، فیض القدیر، ج ۲ ص ۲۱۵، البیان والتعریف، ج ۱ ص ۱۷۴، رقم الحدیث: ۱۳

[۳] المعجم الکبیر، ج ۱۰ ص ۱۵۶، مطبوعہ مکتبہ الزہراء الحدیثیہ موصل، عراق

اَبۡنَتَهُ فَاطِمَةَ مِنۡ عَلِيِّ بۡنِ اَبِيۡ طَالِبٍ وَاَمَرَهُ اَنۡ يَّدۡخُلَ عَلٰى فَاطِمَةَ حَتّٰى يَجِيۡئَهُ۔ وَكَانَ الۡيَهُوۡدُ يُؤَخِّرُوۡنَ الرَّجُلَ عَنۡ اَهۡلِهٖ۔ فَجَاءَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ ﷺ حَتّٰى وَقَفَ بِالۡبَابِ وَسَلَّمَ، فَاسۡتَاۡذَنَ فَاُذِنَ لَهٗ، فَقَالَ: اَثَمَّ اَخِيۡ؟ فَقَالَتۡ اُمُّ اَيۡمَنَ: بِاَبِيۡ اَنۡتَ وَاُمِّيۡ يَا رَسُوۡلَ اللّٰهِ! مَنۡ اَخُوۡكَ؟ قَالَ: عَلِيُّ بۡنُ اَبِيۡ طَالِبٍ، قَالَتۡ: وَكَيۡفَ يَكُوۡنُ اَخَاكَ وَقَدۡ زَوَّجۡتَهٗ اِبۡنَتَكَ؟ قَالَ: هُوَ ذَاكَ يَا اُمَّ اَيۡمَنَ، فَدَعَا بِمَاءٍ اِنَاءٍ فَغَسَلَ فِيۡهِ يَدَيۡهِ ثُمَّ دَعَا عَلِيًّا فَجَلَسَ بَيۡنَ يَدَيۡهِ فَنَضَحَ عَلٰى صَدۡرِهٖ مِنۡ ذٰلِكَ الۡمَاءِ وَبَيۡنَ كَتِفَيۡهِ، ثُمَّ دَعَا فَاطِمَةَ فَجَاءَتۡ بِغَيۡرِ خِمَارٍ تَعۡثُرُ فِيۡ ثَوۡبِهَا ثُمَّ نَضَحَ عَلَيۡهَا مِنۡ ذٰلِكَ الۡمَاءِ، ثُمَّ قَالَ: وَاللّٰهِ مَا اَلَوۡتُ اَنۡ زَوَّجۡتُكِ خَيۡرَ اَهۡلِيۡ وَقَالَتۡ اُمُّ اَيۡمَنَ: وُلِيۡتُ جِهَازَهَا فَكَانَ فِيۡمَا جَهَّزۡتُهَا بِهٖ مِرۡفَقَةٌ مِنۡ اَدَمٍ حَشۡوُهَا لِيۡفٌ، وَبَطۡحَاءُ مَفۡرُوۡشٌ فِيۡ بَيۡتِهَا۔ رَوَاهُ ابۡنُ سَعۡدٍ فِي الطَّبَقَاتِ الۡكُبۡرٰى''۔[1]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت علی بن ابی طالب سے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ فاطمہ کے پاس جائیں یہاں تک کہ وہ حضرت فاطمہ کے پاس آ گئے (یہ حکم اس لیے فرمایا گیا کہ یہودیوں کی مخالفت ہو کیونکہ یہودیوں کی یہ عادت تھی کہ وہ شوہر کی اپنی بیوی سے پہلی ملاقات کرانے میں تاخیر کرتے تھے۔) پس حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف لائے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دروازے پر کھڑے ہو گئے اور سلام کیا اور اندر آنے کی اجازت طلب فرمائی پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اجازت دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کیا یہاں میرا بھائی ہے؟ تو ام ایمن نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کا بھائی کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میرا بھائی علی بن ابی طالب ہے، پھر انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ آپ کے

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۸ ص ۲۴

بھائی کیسے ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ آپ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ان کے ساتھ کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ام ایمن! وہ اسی طرح ہے۔ (صاحب قطب الارشاد، منبع الولایۃ مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور صاحب لولاک خاتم النبیین، منبع النبوۃ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگوایا اور اس میں اپنے ہاتھ مبارک دھوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پانی میں سے کچھ آپ (رضی اللہ عنہ) کے سینہ پر اور کچھ آپ (رضی اللہ عنہ) کے کندھوں کے درمیان چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا پس آپ اپنے کپڑوں میں لپٹی ہوئی آئیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پانی آپ رضی اللہ عنہا پر بھی چھڑکا پھر فرمایا: خدا کی قسم، اے فاطمہ! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص کے ساتھ کر دی ہے اور تمہارے حق میں کوئی تقصیر نہیں کی۔ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں کہ مجھے حضرت فاطمہ کے جہیز کی ذمہ داری سونپی گئی سو جو چیزیں آپ رضی اللہ عنہا کے جہیز میں تیار کی گئیں ان میں ایک چمڑے کا تکیہ تھا جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا اور ایک بچھونا تھا جو آپ رضی اللہ عنہا کے گھر بچھایا گیا۔ اسے ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں روایت کیا ہے۔ [1]

مولیٰ علی المرتضیٰ کے نکاح میں چالیس ہزار فرشتوں کی گواہی اور جنتی درختوں کی نچھاوریں

(۱۳) ''عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي الْمَسْجِدِ، اِذْ قَالَ ﷺ لِعَلِيٍّ: هٰذَا جِبْرِيْلُ يُخْبِرُنِيْ اَنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ زَوَّجَكَ فَاطِمَةَ، وَاَشْهَدَ عَلٰى تَزْوِيْجِكَ اَرْبَعِيْنَ اَلْفَ مَلَكٍ، وَاَوْحٰى اِلٰى شَجَرَةِ طُوْبٰى اَنِ انْثُرِيْ عَلَيْهِمُ الدُّرَّ وَالْيَاقُوْتَ، فَنَثَرَتْ عَلَيْهِمُ الدُّرَّ وَالْيَاقُوْتَ، فَابْتَدَرَتْ اِلَيْهِ الْحُوْرُ الْعِيْنُ يَلْتَقِطْنَ مِنْ اَطْبَاقِ الدُّرِّ وَالْيَاقُوْتِ،

[1] المعجم الکبیر، ج ۱۰ ص ۱۵۶، مطبوعہ مکتبہ الزہراء الحدیثیہ موصل، عراق

فَهُمْ يَتَهَادُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ. رَوَاهُ مُحِبُّ الدِّيْنِ اَحْمَدُ الطَّبَرِيُّ فِي الرِّيَاضِ النَّضِرَةِ"۔ [۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: یہ جبرئیل امین علیہ السلام ہیں جو مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالی نے فاطمہ سے تمہاری شادی کردی ہے۔ اور تمہارے نکاح پر (ملاء اعلی میں) چالیس ہزار فرشتوں کو گواہ کے طور پر مجلس نکاح میں شریک کیا، اور شجر ہائے طوبی سے فرمایا: ان پر موتی اور یاقوت نچھاور کرو، پھر دلکش آنکھوں والی حوریں اُن موتیوں اور یاقوتوں سے تھال بھرنے لگیں۔ جنہیں (تقریب نکاح میں شرکت کرنے والے) فرشتے قیامت تک ایک دوسرے کو بطور تحائف دیتے رہیں گے۔ اس کو امام محب الدین احمد الطبری نے روایت کیا ہے۔ [۲]

سیدۂ کائنات اور مولیٰ علی المرتضیٰ کا نکاح ملاِ اعلیٰ میں ہوا

(۱۴) "عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَتَانِيْ مَلَكٌ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ، وَيَقُوْلُ لَكَ: اِنِّيْ قَدْ زَوَّجْتُ فَاطِمَةَ ابْنَتَكَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ فِي الْمَلَاِ الْاَعْلٰى، فَزَوِّجْهَا مِنْهُ فِي الْاَرْضِ. رَوَاهُ مُحِبُّ الدِّيْنِ اَحْمَدُ الطَّبَرِيُّ فِيْ ذَخَائِرِ الْعُقْبٰى"۔ [۳]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس ایک فرشتے نے آکر کہا ہے: اے محمد! اللہ تعالی نے آپ پر سلام بھیجا

---

[۱] الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، ج ۳ ص ۱۴۶، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ، ص ۷۲

[۲] احمد بن عبداللہ بن محمد ابوجعفر محب طبری، الریاض النظرہ فی مناقب العشرہ، ج ۳ ص ۱۴۶، مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، بیروت لبنان، ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربیٰ، ص ۷۲ مطبوعہ مکتبہ الصحابہ، جدہ، سعودی عرب

[۳] الطبقات الکبریٰ، ج ۸ ص ۲۴

ہے اور فرمایا ہے: میں نے آپ کی صاحبزادی فاطمہ کا نکاح ملاء اعلیٰ میں علی بن ابی طالب سے کر دیا ہے، پس آپ زمین پر بھی فاطمہ کا نکاح علی سے کر دیں۔ اس کو امام محب الدین احمد الطبری نے روایت کیا ہے۔ [1]

میں اور علی شجرۂ واحدہ سے ہیں

(۱۵) ''عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: اَلنَّاسُ مِنْ شَجَرٍ شَتّٰى، وَاَنَا وَعَلِيٌّ مِنْ شَجَرَةٍ وَّاحِدَةٍ۔ رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْاَوْسَطِ''۔ [2]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: لوگ جدا جدا نسب سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ میں اور علی ایک ہی نسب سے ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے ''المعجم الاسط'' میں روایت کیا ہے۔ [3]

علی کا گوشت میرا گوشت اور علی کا خون میرا خون ہے

(۱۶) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ لِاُمِّ سَلَمَةَ: هٰذَا عَلِيُّ بْنُ اَبِي طَالِبٍ لَحْمُهٗ لَحْمِيْ، وَدَمُهٗ دَمِيْ، فَهُوَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى، اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ''۔ [4]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں: یہ علی ابن ابی طالب ہے اس کا گوشت میرا گوشت ہے اور اس کا خون میرا خون ہے اور یہ میرے لیے ایسے ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام مگر

---

[1] ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ص ۶۷، مطبوعہ مکتبہ الصحابۃ، جدہ، سعودی عرب

[2] المعجم الاوسط، ج ۴ ص ۲۶۳، رقم الحدیث: ۱۶۵۱، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۰۰، مسند الفردوس الدیلمی، ج ۴ ص ۳۰۳، رقم الحدیث: ۶۸۸۸

[3] ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ص ۶۷، مطبوعہ مکتبہ الصحابۃ، جدہ، سعودی عرب

[4] المعجم الکبیر، ج ۱۲ ص ۱۸، رقم الحدیث: ۱۷، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۱۱

یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے ''المعجم الکبیر'' میں بیان کیا ہے۔[1]

علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے

(۱۷) ''عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: عَلِيٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ، وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِيٍّ لَا يَفْتَرِقَانِ حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ. رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ''۔[2]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں کبھی بھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر (اکھٹے) آئیں گے، اس حدیث کو طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مومنین کے دلوں میں محبت علی پیدا کرنا چاہتا ہے

(۱۸) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: نَزَلَتْ فِيْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا (مریم:۹۶) قَالَ: مَحَبَّةً فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ، رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْاَوْسَطِ''۔[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت: ''اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾'' (مریم:۹۶) بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کردے گا ﴿۹۶﴾ حضرت علی کی شان میں اتری ہے۔ اور انہوں

---

[1] المعجم الکبیر، ج ۱۲ ص ۱۸، مطبوعہ مطبعۃ الزہراء الحدیثیہ موصل، عراق

[2] المعجم الاوسط، ج ۵ ص ۱۳۵، رقم الحدیث: ۴۸۸۰، المعجم الصغیر، ج ۱ ص ۲۵۵، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۳۴

[3] المعجم الاوسط، ج ۵ ص ۳۴۸، رقم الحدیث: ۵۵۱۴، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۲۵

نے فرمایا: اس سے مراد مومنین کے دلوں میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی محبت ہے۔
اس حدیث کو امام طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔ [۱]

فضائل علی المرتضیٰ میں بہت زیادہ آیات ہیں

(۱۹) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَانَزَلَ فِیْ اَحَدٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی مَانَزَلَ فِیْ عَلِیٍّ۔ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرَ فِیْ تَارِیْخِهٖ''۔ [۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی جتنی آیات حضرت علی کے حق میں نازل ہوئی ہیں کسی اور کے حق میں نازل نہیں ہوئیں۔ اس حدیث کو امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

شانِ علی المرتضیٰ میں تین سو آیات نازل ہوئیں

(۲۰) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: نَزَلَتْ فِیْ عَلِیٍّ ثَلَاثَ مِائَةِ اٰیَةٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ عَسَاکِرَ فِیْ تَارِیْخِهٖ''۔ [۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں قرآن کریم کی تین سو آیات نازل ہوئیں۔ اس حدیث کو امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ [۴]

علی کی طرف دیکھنا عبادت ہے

(۲۱) ''عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اَلنَّظْرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَةٌ، رَوَاهُ الْحَاکِمُ۔ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ''۔ [۵]

---

[۱] المعجم الاوسط، ج ۴ ص ۲۶۳ ، مطبوعہ مکتبۃ المعارف الریاض، سعودی عرب

[۲] تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۲ ص ۳۶۳، تاریخ الخلفاء، ص ۱۳۲

[۳] تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۲ ص ۳۶۴، تاریخ الخلفاء، ص ۱۳۲

[۴] تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۲ ص ۳۶۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

[۵] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، رقم الحدیث: ۴۶۸۱، مسند الفردوس الدیلمی، ج ۴ ص ۲۹۴، رقم الحدیث: ۶۸۶۶، حلیۃ الاولیاء، ج ۲ ص ۱۸۳

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا، اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ [1]

(۲۲) "عَنْ طَلِيقِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ: رَأَيْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ يَحِدُّ النَّظْرَ إِلٰى عَلِيٍّ فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: اَلنَّظْرُ إِلٰى عَلِيٍّ عِبَادَةٌ. رَوَاهُ الطِّبْرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْكَبِيرِ"۔ [2]

ترجمہ: حضرت طلیق بن محمد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے تھے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کرر ہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علی کی طرف دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اس حدیث کو طبرانی نے "المعجم الکبیر" میں روایت کیا ہے۔ [3]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر حضرت علی المرتضیٰ کا چہرہ انور۔۔ عبادت سمجھ کر دیکھتے

(۲۳) "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ أَبَا بَكْرٍ يُكْثِرُ النَّظَرَ إِلٰى وَجْهِ عَلِيٍّ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَتِ! أَرَاكَ تُكْثِرُ النَّظَرَ إِلٰى وَجْهِ عَلِيٍّ؟ فَقَالَ: يَا بُنَيَّةُ! سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: اَلنَّظْرُ إِلٰى وَجْهِ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ. رَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرَ فِي تَارِيخِهِ"۔ [4]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ کثرت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کو دیکھا کرتے۔ سو میں

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[2] المعجم الکبیر، ج ۱۸ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۲۰۷، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۰۹

[3] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[4] تاریخ دمشق الکبیر، ج ۴۲ ص ۳۵۵، مختصر کتاب الموافقۃ الزمخشری، ص ۱۴

نے آپ سے پوچھا: اے اباجان! کیا وجہ ہے کہ آپ کثرت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چہرے کی طرف تکتے رہتے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے میری بیٹی! میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علی کے چہرے کو تکنا بھی عبادت ہے۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں بیان کیا ہے۔ [۱]

مولیٰ علی المرتضیٰ کا ذکر بھی عبادت ہے

(۲۴) ''عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ذِكْرُ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ. رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ''۔ [۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علی کا ذکر بھی عبادت ہے۔ اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا ہے۔ [۳]

مولیٰ علی المرتضیٰ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں

(۲۵) ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِلَى الْيَمَنِ، فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ! تَبْعَثُنِيْ وَأَنَاشَابٌّ، أَقْضِيْ بَيْنَهُمْ. وَلَا أَدْرِيْ مَا الْقَضَاءُ؟ فَضَرَبَ بِيَدِهِ فِيْ صَدْرِيْ. ثُمَّ قَالَ: اَللّٰهُمَّ! اِهْدِ قَلْبَهُ، وَثَبِّتْ لِسَانَهُ. قَالَ: فَمَاشَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَيْنَ اثْنَيْنِ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ''۔ [۴]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ مجھے بھیج رہے ہیں کہ میں ان کے درمیان فیصلہ کروں حالانکہ میں نوجوان ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ فیصلہ کیا ہے؟ سو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست اقدس میرے سینے پہ مارا، پھر فرمایا:

---

[۱] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۲] مسند الفردوس الدیلمی، ج ۲ ص ۲۴۴، رقم الحدیث: ۱۳۵۱

[۳] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۴] سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب ذکر القضاۃ، ج ۲ ص ۷۷۴، رقم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت عطا فرما اور اس کی زبان کو حق پر قائم رکھ۔ فرمایا: اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کبھی بھی شک نہیں کیا۔

اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ [۱]

(۲۶) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمْ عَلِیٌّ اَقْضَانَا، وَاُبَیٌّ اَقْرَانَا۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ''۔ [۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: علی ہم سب سے بہتر اور صائب فیصلہ فرمانے والے ہیں اور ابی بن کعب ہم سب سے بڑھ کر قاری ہیں۔ اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ [۳]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مولیٰ علی المرتضیٰ کے بغیر مشکل مسئلہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے

(۲۷) ''عَنْ سَعِیْدِ بْنِ الْمُسَیَّبِ قَالَ: كَانَ عُمَرُ یَتَعَوَّذُ بِاللهِ مِنْ مُّعْضَلَةٍ لَیْسَ فِیْهَا اَبُوْ حَسَنٍ۔ رَوَاهُ ابْنُ سَعِیْدٍ فِی الطَّبَقَاتِ الْكُبْرٰی''۔ [۴]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس نا قابل حل اور مشکل مسئلہ سے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نہیں ہوتے تھے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) الحدیث: ۲۳۱۰، سنن الکبریٰ النسائی، ج ۵ ص ۱۱۶، مصنف رقم الحدیث: ۸۴۱۹، مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۶ ص ۳۶۵، رقم الحدیث: ۳۲۰۶۸، مسند البزار، ج ۳ ص ۱۲۶، رقم الحدیث: ۹۱۲، المسند الحمیدی، ج ۱ ص ۶۱، رقم الحدیث: ۹۴، مسند احمد، فضائل الصحابۃ، ج ۲ ص ۵۸۰، رقم الحدیث: ۹۸۴، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۳۷

[۱] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۲] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۳۴۵، رقم الحدیث: ۵۳۲۸، مسند احمد، ج ۵ ص ۱۱۳، رقم الحدیث: ۲۱۱۲۳

[۳] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۳۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۴] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۳۹

اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ اسے ابن سعد نے ''الطبقات الکبری'' میں روایت کیا ہے۔ [1]

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکمت کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہے

(۲۸) ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا. رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ''۔ [2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ [3]

میں علم کا شہر اور علی اس کا دروازہ ہے

(۲۹) ''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا فَمَنْ اَرَادَ الْمَدِيْنَةَ فَلْيَاْتِ الْبَابَ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ: هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ''۔ [4]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ لہٰذا جو اس شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس دروازے سے آئے۔ اس حدیث کو امام

---

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۳۹، رقم الحدیث: ۲۷، مطبوعہ دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

[2] جامع ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب علی، ج ۵ ص ۶۳۷، رقم الحدیث: ۳۷۲۳، مسند احمد، فضائل الصحابۃ، ج ۲ ص ۶۳۴، رقم الحدیث: ۱۰۸۱، حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۶۴

[3] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[4] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۱۳۷، رقم الحدیث: ۴۶۳۷، مسند الفردوس الدیلمی، ج ۱ ص ۴۴، رقم الحدیث: ۱۰۶

حاکم نے روایت کیا، اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔[۱]

مولیٰ علی المرتضیٰ قرآن مجید کی ہر آیت کے بارے مکمل تفصیل جانتے تھے۔۔

(۳۰) ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: وَاللهِ! مَا نَزَلَتْ اٰيَةٌ اِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِيمَا نَزَلَتْ وَاَيْنَ نَزَلَتْ وَعَلٰى مَنْ نَزَلَتْ. اِنَّ رَبِّيْ وَهَبَ لِيْ قَلْبًا عَقُوْلًا وَلِسَانًا طَلْقًا. رَوَاهُ اَبُوْ نُعَيْمٍ''۔[۲]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں قرآن کی ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ کس کے بارے، کس جگہ اور کس پر نازل ہوئی؟ بے شک میرے رب نے مجھے بہت زیادہ سمجھ والا دل اور فصیح زبان عطا فرمائی ہے۔ اسے بو نعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں روایت کیا ہے۔[۳]

(۳۱) ''عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ: قَالَ عَلِيٌّ: سَلُوْنِيْ عَنْ كِتَابِ اللهِ، فَاِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اٰيَةٍ اِلَّا وَقَدْ عَرَفْتُ بِلَيْلٍ نَزَلَتْ اَمْ بِنَهَارٍ، فِيْ سَهْلٍ اَمْ فِيْ جَبَلٍ. رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ فِي الطَّبَقَاتِ الْكُبْرٰى''۔[۴]

ترجمہ: حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھ سے کتاب اللہ کے بارے سوال کرو پس بے شک کوئی بھی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں میں یہ نہ جانتا ہوں کہ وہ دن کو نازل ہوئی یا رات کو، پہاڑ میں نازل ہوئی یا میدان میں۔ اسے ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں روایت کیا ہے۔[۵]

---

[۱] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۲] حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۶۸، الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۳۸

[۳] حلیۃ الاولیاء، ج ۱ ص ۶۸، مطبوعہ دار الکتب العربی، بیروت، لبنان

[۴] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۳۸

[۵] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۳۳۸، مطبوعہ دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

مولیٰ علی المرتضیٰ کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت اور ان کی آپ سے محبت

(۳۲) ''عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فِي رِوَايَةٍ طَوِيلَةٍ وَمِنْهَا عَنْهُ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ خَيْبَرَ: لَأُعْطِيَنَّ اللِّوَاءَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ. فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ، دَعَا عَلِيًّا، وَهُوَ أَرْمَدُ، فَتَفَلَ فِي عَيْنَيْهِ وَأَعْطَاهُ اللِّوَاءَ، وَنَهَضَ النَّاسُ مَعَهُ، فَلَقِيَ أَهْلَ خَيْبَرَ، وَإِذَا مَرْحَبٌ يَرْتَجِزُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَهُوَ يَقُولُ:

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ أَنِّي مَرْحَبُ

شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

أَطْعَنُ أَحْيَانًا وَحِينًا أَضْرِبُ

إِذَا اللُّيُوثُ أَقْبَلَتْ تَلَهَّبُ

قَالَ: فَاخْتَلَفَ هُوَ وَعَلِيٌّ ضَرْبَتَيْنِ، فَضَرَبَهُ عَلَى هَامَتِهِ حَتَّى عَضَّ السَّيْفُ مِنْهَا بِأَضْرَاسِهِ، وَسَمِعَ أَهْلُ الْعَسْكَرِ صَوْتَ ضَرْبَتِهِ. قَالَ: وَمَا تَتَامَّ آخِرُ النَّاسِ مَعَ عَلِيٍّ حَتَّى فُتِحَ لَهُ وَلَهُمْ. رَوَاهُ أَحْمَدُ''۔[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت بریدہ اسلمی سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل خیبر کے قلعہ میں اترے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل میں ضرور بالضرور اس آدمی کو جھنڈا عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہیں، سو جب اگلا دن آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو بلایا، وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آنکھ میں

---

[1] مسند احمد، ج ۵ ص ۳۵۸، رقم الحدیث: ۲۳۰۸۱، سنن الکبریٰ النسائی، ج ۵ ص ۱۰۹، رقم الحدیث: ۸۴۰۳، المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۴۹۴، رقم الحدیث: ۵۸۴۴، مجمع الزوائد، ج ۶ ص ۱۵۰، تاریخ الطبری، ج ۲ ص ۱۳۶

آبِ دہن ڈالا اور ان کو جھنڈا عطا کیا اور لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی معیت میں قتال کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کا سامنا اہل خیبر کے ساتھ ہوا اور اچانک مرحب (یہودیوں کا سب سے بہادر فوجی) نے آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آکر یہ رجز یہ اشعار کہے:

تحقیق خیبر نے یہ جان لیا ہے کہ بے شک میں مرحب ہوں اور یہ کہ میں ہر وقت ہتھیار بند ہوتا ہوں اور میں ایک تجربہ کار جنگجو ہوں۔ میں کبھی نیزے اور کبھی تلوار سے وار کرتا ہوں اور جب یہ شیر آگے بڑھتے ہیں تو بھڑک اٹھتے ہیں۔

راوی بیان کرتے ہیں دونوں نے تلواروں کے واروں کا آپس میں تبادلہ کیا پھر حضرت علی نے اس کی کھوپڑی پر وار کیا یہاں تک کہ تلوار اس کی کھوپڑی کو چیرتی ہوئی اس کے دانتوں تک آ پہنچی اور تمام اہل لشکر نے اس ضرب کی آواز سنی۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ان لوگوں میں سے کسی اور نے آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مقابلہ کا ارادہ نہ کیا۔ یہاں تک کہ فتح مسلمانوں کا مقدر ٹھہری۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔[1]

(۳۳) ''عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ بَعَثَ اِلَيَّ وَاَنَا اَرْمَدُ الْعَيْنِ، يَوْمَ خَيْبَرَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنِّيْ اَرْمَدُ الْعَيْنِ، قَالَ: فَتَفَلَ فِيْ عَيْنِيْ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ! اَذْهِبْ عَنْهُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ فَمَا وَجَدْتُّ حَرًّا وَلَا بَرْدًا مُنْذُ يَوْمَئِذٍ. وَقَالَ: لَاُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُهُ، لَيْسَ بِفَرَّارٍ فَتَشَرَّفَ لَهَا اَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ فَاَعْطَانِيْهَا. رَوَاهُ اَحْمَدُ''۔[2]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خیبر کے

---

[1] مسند احمد، ج ۵ ص ۳۵۸، مطبوعہ المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان

[2] مسند احمد، ج ۱ ص ۹۹، رقم الحدیث: ۷۷۸، ج ۱ ص ۱۳۳، رقم الحدیث: ۱۱۱۷، مسند احمد، فضائل الصحابۃ، ج ۲ ص ۵۶۴، رقم الحدیث: ۹۵۰

دوران مجھے بلا بھیجا اور مجھے آشوب چشم تھا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے آشوب چشم ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری آنکھوں میں آبِ دہن ڈالا اور فرمایا: اے اللہ! اس سے گرمی وسردی کو دور کر دے۔ سو اس دن کے بعد میں نے نہ تو گرمی کو پایا اور نہ ہی سردی محسوس کی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: میں ضرور بالضرور یہ جھنڈا اس آدمی کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔ [1]

حضرت علی المرتضیٰ لوگوں میں سب سے بڑھ کر بہادر تھے اور جنگ میں آپ کے ساتھ جبرائیل ومیکائیل ہوتے تھے

(۳۴) ''عَنْ هُبَيْرَةَ: خَطَبَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ: لَقَدْ فَارَقَكُمْ رَجُلٌ بِالْأَمْسِ لَمْ يَسْبِقْهُ الْأَوَّلُوْنَ بِعِلْمٍ، وَلَا يُدْرِكُهُ الْآخِرُوْنَ، كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَبْعَثُهُ بِالرَّايَةِ، جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِهِ، وَمِيْكَائِيْلُ عَنْ شِمَالِهِ، لَا يَنْصَرِفُ حَتّٰى يُفْتَحَ لَهُ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالطَّبَرَانِيُّ فِي الْمُعْجَمِ الْأَوْسَطِ''۔ [2]

ترجمہ: حضرت ہبیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ گزشتہ کل تم سے وہ ہستی جدا ہوگئی ہے جن سے نہ تو گزشتہ لوگ علم میں سبقت لے سکے اور نہ ہی بعد میں آنے والے ان کے مرتبہ علمی کو پاسکیں گے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجتے تھے اور جبرائیل آپ کی دائیں طرف اور میکائیل آپ کی بائیں طرف ہوتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کو فتح عطا ہونے تک وہ آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ اس حدیث کو احمد بن حنبل نے

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[2] مسند احمد، ج ۱ ص ۱۹۹، رقم الحدیث: ۱۷۱۹، المعجم الاوسط، ج ۲ ص ۳۳۶، رقم الحدیث: ۲۱۵۵

اور طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' میں روایت کیا ہے۔ [1]

حضرت علی کی تین ایسی خصوصیتیں جو کسی اور میں نہیں ہیں

(۳۵) ''عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: كُنَّا نَقُوْلُ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ: رَسُوْلُ اللهِ خَيْرُ النَّاسِ، ثُمَّ أَبُوْبَكْرٍ، ثُمَّ عُمَرُ، وَلَقَدْ أُوْتِيَ ابْنُ أَبِيْ طَالِبٍ ثَلَاثُ خِصَالٍ، لِأَنْ تَكُوْنَ لِيْ وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ: زَوَّجَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ ابْنَتَهُ، وَوَلَدَتْ لَهُ، وَسَدَّ الْأَبْوَابَ إِلَّا بَابَهُ فِي الْمَسْجِدِ وَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ يَوْمَ خَيْبَرَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ''۔ [2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کہا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں سے افضل ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تین خصلتیں عطا کی گئیں ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی مجھے مل جائے تو یہ مجھے سرخ قیمتی اونٹوں کے ملنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اور وہ تین خصلتیں یہ ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کیا جس سے ان کی اولاد ہوئی، اور دوسری یہ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے تمام دروازے بند کروادیے مگر ان کا دروازہ مسجد میں رہا، اور تیسری یہ کہ ان کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے دن جھنڈا عطا فرمایا۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے روایت کیا ہے۔ [3]

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[2] مسند احمد، ج ۲ ص ۲۶، رقم الحدیث: ۴۷۹۷، مسند احمد، فضائل الصحابۃ، ج ۲ ص ۵۶۷، رقم الحدیث: ۹۵۵، مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۲۰

[3] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ کو مسجد نبوی سے جنبی حالت میں گزرنے کی اجازت

(۳۶)''عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ رِوَایَۃٍ طَوِیْلَۃٍ وَّمِنْھَا عَنْہُ قَالَ: وَسَدَّ اَبْوَابَ الْمَسْجِدِ غَیْرَ بَابِ عَلِیٍّ فَقَالَ، فَیَدْخُلُ الْمَسْجِدَ جُنُبًا وَھُوَ طَرِیْقُہٗ۔ لَیْسَ لَہٗ طَرِیْقٌ غَیْرُہٗ۔ رواہ احمد''۔[۱]

ترجمہ: حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد کے تمام دروازے بند کردئے سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: علی حالت جنابت میں بھی مسجد میں داخل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہی اس کا راستہ ہے اور اس کے علاوہ اس کے گھر کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ (سو مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم وہ ذات بالا ہیں جن پر رجز ونجاست اثر نہیں کرسکتی ان کی طہارت باطنی کا کمال یہ ہے کہ ظاہر پر اس کا اثر ہمہ وقت ہے) اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے۔[۲]

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو غسل مولیٰ علی المرتضیٰ نے دیا

(۳۷)''عَنْ عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ اَبِیْ عَوْنٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ تُوُفِّیَ فِیْہِ: اغْسِلْنِیْ یَا عَلِیُّ اِذَا مِتُّ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ مَا غَسَلْتُ مَیِّتًا قَطُّ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّکَ سَتُھَیَّاُ اَوْ تُیَسَّرُ، قَالَ عَلِیٌّ: فَغَسَلْتُہٗ۔ رَوَاہُ ابْنُ سَعْدٍ فِی الطَّبَقَاتِ الْکُبْرٰی''۔[۳]

---

[۱] مسند احمد، ج۱ ص ۳۳۰، رقم الحدیث: ۳۰۶۲

[۲] المستدرک للحاکم، ج۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[۳] الطبقات الکبریٰ، ج۲ ص ۲۸۰

ترجمہ: حضرت عبد الواحد بن ابی عون رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب سے اپنے اس مرض میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی فرمایا: اے علی! جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل دینا تو آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے کبھی کسی میت کو غسل نہیں دیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک عنقریب تو اس کے لیے تیار ہو جائے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا۔ اس حدیث کو ابن سعد نے ''الطبقات الکبری'' میں بیان کیا ہے۔ [1]

(۳۸) ''عَنْ عَامِرٍ قَالَ: غَسَلَ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَالْفَضْلُ بْنُ الْعَبَّاسِ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَكَانَ عَلِيٌّ يَغْسِلُهُ وَيَقُوْلُ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، طِبْتَ مَيِّتًا وَحَيًّا. رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ فِي الطَّبَقَاتِ الْكُبْرٰى''۔ [2]

ترجمہ: حضرت عامر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دیا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دے رہے تھے تو کہتے تھے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ وصال فرما کر اور زندہ رہ کر دونوں حالتوں میں پاکیزہ تھے۔ اس حدیث کو ابن سعد نے ''الطبقات الکبری'' میں بیان کیا ہے۔ [3]

(۳۹) ''عَنْ عَامِرٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ يَغْسِلُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالْفَضْلُ وَأُسَامَةُ يَحْجِبَانِهِ. رَوَاهُ ابْنُ سَعْدٍ فِي الطَّبَقَاتِ الْكُبْرٰى''۔ [4]

ترجمہ: حضرت عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غسل دے رہے تھے اور حضرت فضل اور اسامہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پردہ

---

[1] المستدرک للحاکم، ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

[2] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۷۷

[3] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

[4] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۷۷

کیا ہوا تھا۔ اس حدیث کو ابن سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں بیان کیا ہے۔ [1]

حضرت علی المرتضیٰ کے شہید ہونے کا اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دے دیا

(۴۰) ''عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ، اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ عَلٰى جَبَلِ حِرَاءٍ. فَتَحَرَّكَ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اُسْكُنْ. حِرَاءُ! فَمَا عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ اَوْ صِدِّيْقٌ اَوْ شَهِيْدٌ وَعَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَالزُّبَيْرُ وَسَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ''۔ [2]

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حراء (پہاڑ) پر تھے وہ (عالم وجد میں) حرکت کرنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! ٹھہر جا، بے شک تجھ پر نبی ہے یا صدیق ہے یا شہید ہیں (اور کوئی نہیں)۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اس پہاڑ پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ [3]

[1] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

[2] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل طلحۃ والزبیر، ج ۴ ص ۱۸۸۰، رقم الحدیث: ۲۴۱۷، صحیح ابن حبان، ج ۱۵ ص ۴۴۱، رقم الحدیث: ۶۹۸۳، مسند احمد، ج ۱ ص ۱۸۷، رقم الحدیث: ۱۶۳۰، المعجم الاوسط، ج ۱ ص ۲۷۳، رقم الحدیث: ۸۹۰، مسند ابی یعلیٰ، ج ۲ ص ۲۵۹، رقم الحدیث: ۹۷۰

[3] الطبقات الکبریٰ، ج ۲ ص ۲۷۷، مطبوعہ دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان

ماخذ و مراجع

1- ابن ابی شیبۃ، کوفی، عبداللہ محمد بن ابراہیم، ابوبکر، المصنف، مکتبۃ الرشد، الریاض، سعودی عرب۔

2- ابن ابی عاصم، شیبانی، احمد بن عمر و بن ضحاک بن مخلد، ابوبکر، السنۃ، المکتب الاسلامی، بیروت لبنان

3- ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد بن حبان، الصحیح، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان

4- ابن سعد، ابوعبداللہ محمد، الطبقات الکبریٰ، دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان + دار صادر بیروت

5- ابن عساکر، دمشقی، علی بن حسن بن ہبۃ اللہ، ابوالقاسم، تاریخ دمشق الکبیر، داراحیاء التراث العربی، بیروت،

6- لبنان ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ بن محمد، ابوعمر، التمہید، وزارت عموم الاوقاف والشؤن الاسلامیہ مراکش

7- ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ بن محمد، ابوعمر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

8- ابن ماجہ قزوینی، محمد بن یزید، ابوعبداللہ، السنن، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان

9- ابونعیم، اصبہانی، احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، دارلکتب العربی بیروت، لبنان

10- ابویعلیٰ تمیمی، احمد بن علی بن مثنیٰ موصلی، المسند، دارالمامون للتراث، دمشق، شام

11- احمد بن حنبل، ابوعبداللہ بن محمد، المسند، المکتب الاسلامی، بیروت لبنان

12- ابن جوزی، عبدالرحمٰن بن علی جوزی، ابوالفرج، الموضوعات، دارالفکر بیروت
13- ابن الصلاح، تہرزوری، عثمان بن عبدالرحمٰن، ابوعمرو، علوم الحدیث، مکتبہ علمیہ مدینہ منوزہ
14- ابن نصیر، صفی اللہ ابن نصیر، معدن الاصول شرح الاصول الشاشیؒ، المکتبۃ الحسبیبیہ، قصہ خوانی بازار پشاور
15- اربلی قادری عبدالقادر بن شیخ محی الدین، فاضل، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر، سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد
16- ابن ھمام، کمال الدین ابن ھمام، علامہ، فتح القدیر، مکتبہ حقانیہ محلہ جنگی، قصہ خوانی بازار، پشاور
17- اندلسی، الکنانی، ابن جبیر، محمد بن احمد بن جبیر، ابوالحسن، رحلۃ ابن جبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان
18- بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، ابوعبداللہ، الجامع الصحیح، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی
19- بزار، بصری، احمد بن عمرو بن عبدالخالق، المسند، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان
20- بیہقی، احمد بن حسین بن علی، السنن الکبریٰ، مکتبہ دارالباز، سعودی عرب، مکہ مکرمہ
21- بیہقی، احمد بن حسین بن علی، دلائل النبوۃ، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان
22- بخاری، سہیل احمد، ڈاکٹر، اقبال اور اہل صفاء، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، لاہور
23- بھوپالی، صدیق حسن خان، نواب، علامہ، تکریم المومنین بتقویم مناقب الخلفاء الراشدین، مطبع مفید عام آگرہ
24- بھوجیانی، محمد ادریس، علامہ، خاندان نبوت، مکتبہ رحمانیہ، ٹوبہ ٹیگ سنگھ
25- بریلوی، احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
26- بہاری، ظفرالدین، شیخ، محدث، مقدمہ صحیح البخاری، دار اھل السنۃ للطباعۃ والتوزیع

کراچی

27- بغدادی، احمد بن علی بن ثابت، ابوبکر، حافظ، الکفایہ فی علم الروایہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ

28- ترمذی، محمد بن عیسیٰ ابوعیسیٰ، امام، الجامع الصحیح، مکتبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان، دارالغرب الاسلامی، بیروت، لبنان

29- پرھاروی، عبدالعزیز، علامہ، النبراس شرح شرح العقائد، مؤسسہ الشرف لاہور

30- جامی، عبدالرحمٰن، کشتۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کلیات جامی، النوریہ الرضویہ، پبلشنگ کمپنی، لاہور

31- حاکم، محمد بن عبداللہ بن محمد، ابوعبداللہ، المستدرک علی الصحیحین، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، بیروت لبنان

32- حصکفی، محمد بن علی بن محمد، علاء الدین، الدرالمختار، مطبع مجتبائی دہلی

33- حسام الدین، ہندی، علی متقی علاؤالدین، کنزالعمال، موسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان

34- حلبی علی بن برہان الدین، نورالدین، محدث، سیرت حلبیہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت لبنان

35- حسینی، ابراہیم بن محمد، البیان والتعریف، دارالکتب العربی، بیروت، لبنان

36- حنفی، صدرالدین، شیخ، روائح المصطفیٰ، طبع احمدی، کانپور

37- چشتی، عبدالرحمٰن، مراۃ الاسرار، الفیصل، لاہور

38- خرپوتی، عمر بن احمد، علامہ، عصیدۃ الشہدہ شرح قصیدۃ البردہ، نور محمد کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی

39- خیرآبادی، فضل امام، المرقاۃ المیزانیہ، مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ، لاہور

40- دہلوی، عبدالحق، شیخ، محدث، مدارج النبوۃ، النوریۃ الرضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور

41- دہلوی، ولی اللہ، شاہ محدث، ازالۃ الخفاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی

42- دکتور موفق بن عبداللہ بن عبدالقادر، سوالات مسعود بن علی السجزی، دار الغرب الاسلامی

43- دہلوی، احمد بن عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، محدث، قرۃ العینین بتفضیل الشیخین، دہلی

44- دیلمی، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ بن فناخسرو ہمدانی، الفردوس بماثور الخطاب، بیروت، لبنان دار الکتب العلمیہ

45- دہلوی مرزا حیرت، کتاب شہادت، کرزن پریس، دہلی

46- دہلوی عبدالعزیز، شاہ، تحفہ اثنا عشریہ، سہیل اکیڈمی، لاہور

47- ذہبی، شمس الدین، حافظ، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار المعرفۃ بیروت، لبنان

48- ذہبی، شمس الدین، حافظ، تلخیص المستدرک، دار المعرفہ بیروت، لبنان

49- رازی، فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر بن الحسینی، تفسیر کبیر، دار احیاء التراث العربی بیروت

50- زمخشری، جاراللہ محمد بن عمر بن محمد خوارزمی الزمخشری، مختصر کتاب الموافقہ بین اہل البیت والصحابہ، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ

51- سیوطی، جلال الدین، امام، الدر المنثور، مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ قم، ایران

52- سخاوی، محمد بن عبداللہ بن محمد، ابو الخیر، شمس الدین، المقاصد الحسنۃ، دار الکتاب العربی، بیروت

53- سیوطی، مسالک الحنفاء فی والدی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حجاز پبلی کیشنز، لاہور

54- سعیدی، غلام رسول، علامہ، تذکرۃ المحدثین، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور،

سیوطی، جلال الدین، حافظ، تدریب الراوی، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ

55- سیوطی، جلال الدین، حافظ، تعقبات علی الموضوعات، مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل۔

56- سرخسی، محمد بن احمد، ابوبکر، شمس الائمہ، اصول السرخسی، قدیمی کتب خانہ کراچی۔

57- سرہندی، بدر الدین، شیخ، حضرات القدس، قادری رضوی کتب خانہ اردو بازار،

لاہور

58- سعیدی، غلام رسول، علامہ، مقالات سعیدی، فرید بک سٹال اردو بازار، لاہور

59- سیوطی، جلال الدین، علامہ، شیخ، تاریخ الخلفاء، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی

60- سرہندی، احمد فاروقی، امام ربانی، مجدد الف ثانی، مکتوبات امام ربانی، مکتبہ امدادیہ کانسی روڈ، کوئٹہ

61- سیوطی، جلال الدین ابو الفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان الخصائص الکبریٰ، فیصل آباد پاکستان مکتبہ نوریہ رضویہ

62- شیبانی، ابوبکر احمد بن عمرو بن ضحاک بن مخلد، الآحاد والمثانی، ریاض، سعودی عرب، دار الرایہ

63- شافعی، ابن عساکر، علی بن حسن، ابو القاسم، حافظ، تاریخ دمشق الکبیر، دار احیاء التراث العربی، بیروت

64- شافعی، صالحی، محمد بن یوسف، امام، سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، احیاء التراث الاسلامی، القاھرہ

65- شامی، ابن عابدین علامہ، ردالمحتار علی الدر المختار، مطبوعہ مکتبہ حقانیہ، پشاور

66- شیخ زادہ، محمد بن مصطفی، محی الدین، شرح شیخ زادہ علی قصیدہ البردۃ، نور محمد اصح المطابع، آرام باغ، کراچی

67- شہزادہ، داراشکوہ، مورخ، سفینۃ الاولیاء، منشی نول کشور لکھنو، علم آباد

68- صنعانی، محمد بن اسماعیل، امام، الروضۃ الندیہ، مطبع انصاری، دہلی

69- صفوری، عبدالرحمٰن، شیخ، نزہۃ المجالس، دار الجیل بیروت، الطبعۃ الاولی

70- طبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید، تاریخ الامم والملوک، بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ

71- طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطہر اللخمی المعجم الکبیر، موصل، عراق، مطبعۃ

الزہراء الحدیث

72- طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطہر اللخمی، المعجم الصغیر، دار الفکر، بیروت، لبنان

73- طحطاوی، سید احمد، حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی، قاسم پبلی کیشنز اردو بازار، کراچی

74- طحطاوی، سید احمد، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، دار المعرفۃ، بیروت

75- عبد بن حمید، ابومحمد بن نصر کسی، المسند، مکتبۃ السنہ، مصر، قاہرہ

76- عسقلانی، احمد بن علی بن محمد، ابو الفضل، الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

77- عینی، محمود بن احمد، ابومحمد، بدر الدین، البنایہ فی شرح الھدایہ، مکتبہ حقانیہ، ملتان

78- عقاد، عباس محمود، استاد، العبقریۃ الاسلامیۃ، دار الفتوح، القاہرہ، مصر

79- علی متقی، شیخ، کنز العمال، الرسالۃ، بیروت

80- عسقلانی، ابن حجر، حافظ، تقریب التھذیب، دار الکتب العلمیہ، بیروت

81- فیض آبادی، الٰہی بخش، مولانا، الانتباہ لحل حمد اللہ، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ

82- قادری، محمد عبد الحکیم شرف، علامہ، شرف ملت، حاشیہ بدائع منظوم، مکتبہ قادریہ رضویہ، لاہور

83- قادری، محمد الیاس، ابو البلال، مولانا، پیر طریقت، کرامات شیر خدا، مکتبۃ المدینہ، کراچی

84- قادری، محمد عبد الحکیم شرف، مقدمہ، غنیۃ الطالبین، فرید بک سٹال اردو بازار، لاہور

85- قادری علی بن سلطان، ملا، شرح فقہ اکبر، پیر محمد کتب خانہ، کراچی

86- قادری، عبد الحکیم شرف، علامہ، مقالات سیرت طیبہ، مکتبہ قادریہ، لاہور

87- قادری عبد الحکیم شرف، علامہ، تقدیم علی الجزء المفقود من مصنف عبد الرزاق، مکتبہ قادریہ، لاہور

88- قشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ، کراچی

89- کاظمی، احمد سعید، مولانا، مقالات کاظمی، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان

90- کاسانی، ابوبکر بن مسعود، علاء الدین، امام، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ

91- لکھنوی، عبدالحی بن عبدالحلیم، ابو الحسنات، علامہ، تحفۃ الطلبہ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

92- مکی، ابوطالب، شیخ، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب، دار صادر، مصر

93- ملتانی، حافظ برخوردار، قاضی، حاشیۃ النبراس، موسسۃ الشرف، لاہور

94- منذری، زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی، امام، الترغیب والترھیب، مصطفیٰ البابی، مصر

95- مکی، ابن حجر، علامہ، نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر، طبع، ملتان

96- مصری، شبلنجی، حسن بن مومن، شیخ، نورالابصار فی مناقب ال بیت النبی المختار، دار المعرفۃ، بیروت

97- ملتانی، برخوردار، حافظ، قاضی، حاشیۃ النبراس، موسسۃ الشرف داتا دربار مارکیٹ، لاہور

98- مالکی، قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وحیدی کتب خانہ، پشاور

99- مظہری، ثناء اللہ، پانی پتی، قاضی، السیف المسلول، مطبع احمدی، دہلی

100- مظہری، ثناء اللہ، پانی پتی، قاضی، تفسیر مظہری، مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ، کوئٹہ

101- منیب الرحمٰن، مفتی، چیرمین رویت ہلال کمیٹی، تفہیم المسائل، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

102- مناوی، عبدالروف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، مصر مکتبہ تجاریہ کبریٰ

103- محب طبری ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن محمد بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ، بیروت، لبنان، دارالغرب الاسلامی

104- محب طبری، ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن ابراہیم، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، جدہ سعودی عرب مکتبۃ الصحابہ

105- مسلم، ابوالحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری، الصحیح، بیروت، لبنان، داراحیاء الترث العربی' دارطیبہ للنشر والتوزیع' الریاض

106- مقدسی، محمد بن عبدالواحد بن احمد بن عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن منظور سعدی حنبلی، الاحادیث المختارہ، مکہ مکرمہ، سعودی عرب، مکتبۃ النہضۃ الحدیثہ

107- نسائی ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار، السنن، بیروت، لبنان، دارلکتب العلمیہ

108- نظامی، حسن خواجہ، نظامی بنسری، زاویہ پبلشرز، لاہور

109- نسفی، عمر بن محمد، امام، العقائد النسفیہ، المصباح اردو بازار، لاہور

110- نعیمی، اقتدار خاں، مفتی، فتاویٰ نعیمیہ، نعیمی کتب خانہ، گجرات

111- نعیمی، احمد یار خاں، مفتی، شانِ حبیب الرحمٰن، قادری پبلشرز اردو بازار، لاہور

112- نعیمی، احمد یار خاں، مفتی، مراۃ المناجیح شرح مشکاۃ المصابیح، مکتبہ اسلامیہ اردو بازار، لاہور

113- نووی، یحییٰ بن شرف، محی الدین، ابو زکریا امام، تقریب النووی مع تدریب الراوی، دار العاصمۃ للنشر والتوزیع الریاض

114- نووی، یحییٰ بن شرف، محی الدین، ابو زکریا امام، شرح صحیح مسلم، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی

115- ہیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان، مجمع الزوائد، قاہرہ، مصر دار الریان للتراث، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

116- ہیثمی، نورالدین ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان، موارد الظمآن الیٰ زوائد ابن حبان، بیروت، لبنان، دارالکتب العلمیہ

آنکہ ذاتِ خویش را مطلق مقید ساختہ — رنگہائے مختلف صُورتِ خود ساختہ
بے صُورت ظاہر صُورت تھیں! — بے رنگ دے اس مورت تھیں!

سینکڑوں کتابوں کے مُطالعہ سے منتخب دِل چسپ چھوٹے چھوٹے واقعات، سبق آموز اور بصیرت افروز معلومات پر مشتمل ایک ایسی کتاب جو کبھی ہنساتی تو کبھی رلاتی ہے سفر و حضر کی بہترین ساتھی کتاب حُسنِ انتخاب، شگفتہ اور مفید کارآمد تراشوں کا گلدستہ

تصنیف و ترتیب
غلام نصیر الدّین
ناظم تعلیمات جامعہ نعیمیہ، لاہور

ناشر
حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اُردو بازار، لاہور

السیف الجلی علی سابّ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا پہلا اُردو ترجمہ بنام

توہینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی قوانین

تالیف

شیخ الاسلام

مخدوم محمد ہاشم حنفی ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ

متوفی ۱۱۷۴ھ

ترجمہ و حواشی

مفتی اعجاز احمد حفظہ اللہ

ایم اے / بی ایڈ / فاضل علوم اسلامی

ناشر
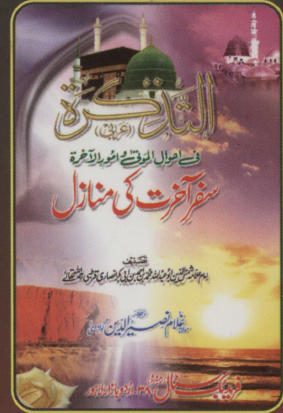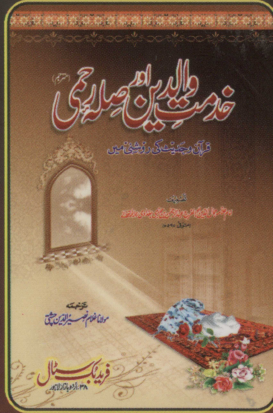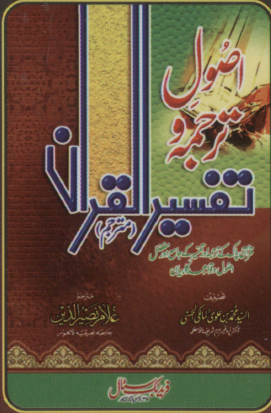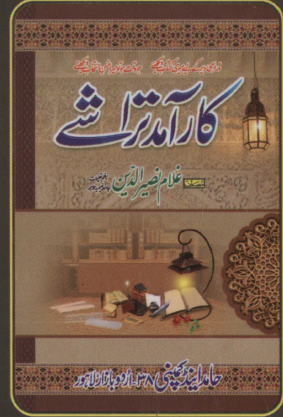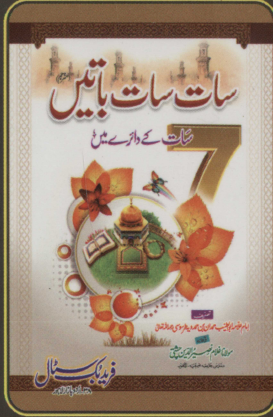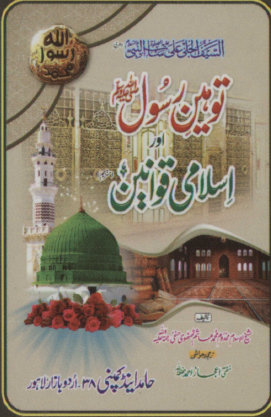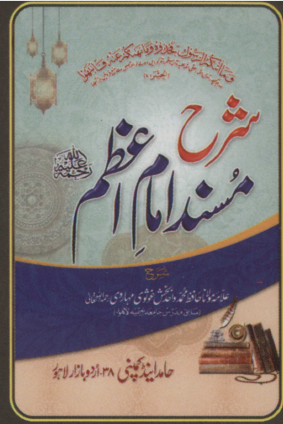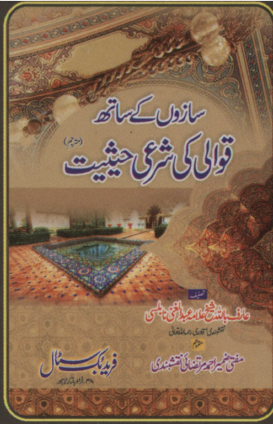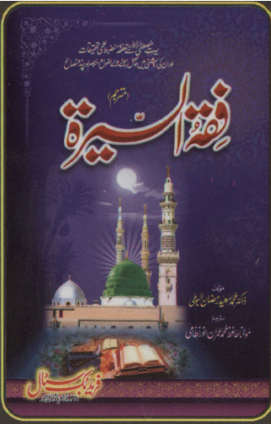
حامد اینڈ کمپنی ۳۸۔ اُردو بازار لاہور

حامد اینڈ کمپنی
مدینہ منزل ۳۸-اردو بازار لاہور
ناشرانِ قرآن و اسلامی کتب